وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۱۰ شوال المکرّم ۱۴۴۴ھ مئی ۲۰۲۳ء

بیاد

شمس العلماء

حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام

حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین

حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم

سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485

Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرأ اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان

شائع کردہ: مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

قدم ہے راہِ اُلفت میں تو منزل کی ہوس کیسی؟!	کلمۃ المدیر	۳
اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت	حضرت مولانا انوار الحق دامت برکاتہم العالیہ	۷
علماءِ امت سے کچھ خاص خاص باتیں	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۱
قرآنِ کریم سمجھ کر پڑھنے کی اہمیت	مولانا مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی	۱۵
حضرت ابوہریرہؓ سے بکثرت روایات کے اسباب	مولانا طلحہ بلال احمد منیار	۲۶
مدارس کے نئے فضلاء سے چند گزارشات	مولانا محمد عمران عیسیٰ	۴۵
نامور محدث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ	مولوی عبدالرحمٰن سلیم	۵۰
مدرسہ کے اجزائے ترکیبی	مفتی عصمت اللہ سنزرخیل	۵۶
تبصرہ کتب	محمد اَحمد حافظ	۶۱

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

قدم ہے راہِ اُلفت میں تو منزل کی ہوس کیسی؟!

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہِ الکریم!

ماہِ شوال سایہ فگن ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں دینی مدارس کی رونقیں لوٹ آتی ہیں، ہر طرف چہل پہل ہوتی ہے، نئے طلبہ بڑی تعداد میں مدارس میں داخلے کے لیے رجوع کرتے ہیں، قدیم طلبہ تجدید داخلہ کے لیے سرگرداں ہوتے ہیں۔ دینی مدارس میں آنے والے دونوں طرح کے طلبہ قابل مبارک باد ہیں.....اَھلاً وَسَھلاً مَرحَبَا!

یہ اہم موقع ہوتا ہے؛ طلبہ میں نئی امنگیں بیدار ہوتی ہیں، وہ جذبہ اور لگن سے معمور ہوتے ہیں، شوق ان کے ہمرکاب ہوتا ہے، وہ ایک ایسے سفر کا آغاز کر رہے ہوتے ہیں جس کی انتہا اور اختتام اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے بے پایاں انعامات کے سوا کچھ نہیں۔ آج ہمیں اسی مناسبت سے چند باتیں طالب علم بھائیوں کے گوش گزار کرنی ہیں۔

کچھ عرصے سے ایک رَوچل پڑی ہے کہ اختتام سال سے قبل سوشل میڈیا پر نوخیز فضلاء کی بظاہر ہمدردی میں بعض لوگ ان کے معاشی مستقبل پر سوال اٹھانے لگتے ہیں، سوال کیا جاتا ہے کہ آپ نے آٹھ برس مدرسہ کے ماحول میں گزارے، اب وہاں سے فارغ ہو رہے ہیں تو معاشرے میں واپس جا کر آپ نے کیا کارنامہ انجام دینا ہے؟

آپ نے جو علم حاصل کیا ہے اس کی مارکیٹ ویلیو کیا ہے؟

آپ اس علم کے ذریعے آئندہ اقتصاد و معاش کو کس طرح استوار کر سکتے ہو؟

یہ اور اس طرح کے کئی دوسرے سوالات اٹھائے جاتے ہیں، جنہیں مسلسل پڑھ اور سن کر نوخیز فضلاء سوچ و بچار میں مبتلا ہو کر شک و ارتیاب، غصہ اور جھنجلاہٹ کا شکار ہوتے ہیں، پھر بعض ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو مدارس کے نظام تعلیم اور ان کے وجود پر ہی نفرت انگیز جملے لکھنے اور بولنے لگتے ہیں۔ یوں وہ نہ صرف مایوسی کا شکار ہوتے ہیں بلکہ آٹھ دس برس کی محنت سے حاصل کردہ نعمت علم و عمل سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج آپ جب ایک نئے دور کا آغاز کرنے جا رہے ہیں تو اپنے آپ کو اچھی طرح ٹٹول لیں اور خوب جائزہ لے لیں کہ جس راہ میں قدم رکھ رہے ہیں اس کے تقاضوں، اس کی مشکلات اور معاش و معاد سے اس کے تعلق کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ نہیں؟۔

یہ اس لیے ضروری ہے کہ کل جب آپ فارغ ہو کر گھروں کو جائیں تو ذہنوں پر انجانے وسوسے اور بے یقینی کے بادل چھائے ہوئے نہ ہوں؛ بلکہ دل و دماغ یقین و اعتماد اور توکل علی اللہ سے معمور ہوں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز نیت کی درستی ہے، یہ اس راہ کی پہلی شرط ہے، اسی پر آئندہ کے فیصلے ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے:.....اِنَّمَاالْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (صحیح بخاری) کہ ''اعمال کا سارادارومدارنیت پر ہے۔''

گویانیت ایک بنیاد ہے،نیت درست ہوگی تو آئندہ اس بنیاد پرتعمیر ہونے والی عمارت بھی درست ہوگی،نیت میں کجی ہوگی تو آئندہ تعمیر ہونے والی عمارت میں بھی کجی اورٹیڑھ پن ہوگا۔

قیس بن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے سے حدیث نقل کی گئی ہے کہ:

''ایک شخص مدینہ سے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق آیا،ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میرے بھائی تمہیں یہاں کیا چیز لے کرآئی ہے؟اس نے کہا مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں،ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: کیاتم کسی اورضرورت سے تو نہیں آئے؟اس نے کہانہیں!انہوں نے پھر پوچھا: کیاتم تجارت کی غرض سے تو نہیں آئے ہو؟اس نے کہا نہیں۔میں تو صرف اس حدیث کی تلاش وطلب میں آیا ہوں،حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: (اچھاتو سنو!) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:''جوشخص علم دین کی تلاش میں کسی راستے پر چلے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اسے جنت کے راستے پر لگادیتا ہے، بے شک فرشتے طالب علم کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھادیتے ہیں،اور عالم کے لیے آسمان وزمین کی ساری مخلوقات مغفرت طلب کرتی ہیں، یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی،اور عالم کی فضیلت عابد پرایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں،اورانبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے، اس لیے جس نے اس علم کو حاصل کرلیااس نے (علم نبوی اوروراثت نبوی) سے پورا پوراحصہ لیا۔''(سنن ابی داؤد،ابن ماجہ،سنن دارمی)

اس حدیث پرغور کیا جائے تو کئی فوائداوراسباق سامنے آتے ہیں:

(۱).....حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے آنے والے کی غرض نیت معلوم کی کہ کیا واقعی وہ حصول علم کے لیے آیا ہے،یا کوئی اورغرض بھی ساتھ شامل ہے؟!.....اس سے نیت کی درستی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

(۲).....طالب علم کا مقام معلوم ہوتا ہے وہ جنت کے راستے کا راہی ہے۔

(۳).....فرشتے اس کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

(۴).....آسمان وزمین کی مخلوقات اس کے لیے دعائیں کرتی ہیں۔

(۵)..... علماء ربانی کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

(۶).....انبیاء نے کسی کو درہم ودینار کا وارث نہیں بنایا بلکہ علم دین کا وارث بنایا ہے۔

ایک دوسری حدیث جس سے نیت کی درستی کی اہمیت اورعلم دین کی عظمت معلوم ہوتی ہے؛ارشاد ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قالَ قالَ رسولُ اللّٰہ صلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماًمِمَّا یُبْتَغٰی بِہٖ وَجْہُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لَایَتَعَلَّمُہٗ اَلَّا لِیُصِیْبَ بِہٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرفَ الْجَنَّۃَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ(ابوداؤدوابن ماجہ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''جوشخص وہ علم جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تلاش وطلب کی جاتی ہے،دنیا کے ساز وسامان کے لیے حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔''

اس حدیث سے بھی اخلاص نیت کا وجوب معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم جب حصول علم کا ارادہ کرے تو اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضاوخوشنودی کی نیت کرے۔اگراس علم کے ذریعے دنیوی مال ومتاع یا جاہ ومنصب کا ارادہ کرے گا تو اس کے لیے شدیدوعید ہے کہ وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ پائے گا؛چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَیْرِ اللّٰہِ اَوْاَرَادَ بِہٖ غَیْرَاللّٰہِ ،فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (ترمذی وابن ماجہ)

''جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی بجائے کسی اور(دنیاوی)غرض سے علم حاصل کیا،یا اس علم کے ذریعے(رضائے الٰہی کی بجائے کسی)غیراللہ کومقصود بنالیا تو وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔''

مدارس میں پڑھائے جانے والے علوم کا تعلق دنیا سے اس معنی میں قطعانہیں کہ اس کے ذریعے دنیا کمائی جائے یا دنیوی جاہ ومنصب حاصل کیے جائیں بلکہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور بخشش ومغفرت کا حصول ہے،چناں چہ اس کے لیے بنیادی بات نیت کی درستی ہے،اس لیے طالب علم بھائیوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی نیتوں کو خالص کرلیں تاکہ علوم دینیہ کے حصول کی منزلیں خیروخوبی کے ساتھ سرہوجائیں۔

دوسری بات طالب علم کی اپنے بارے معرفت ہے،کہ اس کا شاہراہِ علم میں مقام کیا ہے؟ابن ماجہ میں حدیث شریف ہے:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

لَایَزَالُ اللّٰہُ یَغْرِسُ فِیْ ھٰذَا الدِّیْنِ غَرَسًا یَسْتَعْمِلُھُمْ فِیْ طَاعَتِہٖ(ابن ماجه)

''اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے پودے لگاتے ہیں جنہیں اپنے دین کی خدمت کے لیے استعمال فرماتے ہیں۔''

جب کوئی طالب علم شاہراہ علم پر چلنے کا قصد کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دین کی خدمت کے لیے چن لیا ہے،اب اسے کسی اور طرف نگاہ کرنے کی ضرورت نہیں۔اب وہ پورے یقین واذعان اور اعتماد کے ساتھ اس شاہراہ علم پر چلتا چلا جائے جس کا منتہیٰ اللہ تعالیٰ کی رضا اور منزل جنت الفردوس ہے،یہی بات اس لیے قابل فخر وشکر ہے،دنیا کے دیگر تمام مناصب،عہدے اور مقامات اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

طالب علم بھائیوں کو جان لینا چاہیے کہ علم دین معاش و اقتصاد کے لیے حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا منتہیٰ معاد کی درستی ہے۔ آپ کے سابق ہم درس اور بچپن کے دوست اگر زندگی کی دوڑ میں چلتے ہوئے ڈاکٹر، انجینئر یا کامیاب تاجر بن گئے ہیں، وہ کسی بڑے سرکاری عہدے پر فائز ہیں تو انہیں دیکھ کر کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار نہ ہوں، آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کے لیے منتخب فرمالیا ہے، آپ طالب علم ہیں تو آپ کے لیے آسمان وزمین کی مخلوقات دعائیں کرتی ہیں، فرشتے آپ کے لیے پر بچھاتے ہیں، آپ عالم ہیں تو دین کا مسئلہ پوچھنے کے لیے لوگ آپ کے پاس آئیں گے، آپ مفتی ہیں تو فتویٰ لینے کے لیے آپ کے پاس آئیں گے، آپ مفسر ہیں تو قرآن مجید کی تفسیر اور وحی کی مراد معلوم کرنے کے لیے لوگ آپ سے رجوع کریں گے۔ آپ محدث ہیں تو علوم حدیث پڑھنے کے لیے طلبہ آپ کے سامنے زانوائے تلمذ تہ کریں گے۔ یقین فرمائیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی رُتبہ ومقام نہیں، کوئی شرف وعظمت نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ پر خصوصی کرم فرمایا کہ آپ کو اپنے دین کے لیے چن لیا۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْن ...... کہ اللہ تعالیٰ جس آدمی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیں اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرماتے ہیں۔ جان لیجئے کہ آپ اس راستے پر چل پڑے ہیں تو یقیناً آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خیر کا اراہ فرمالیا ہے، کیا کسی دنیوی منصب کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا وعدہ ہے؟

اس لیے ہر طالب علم کو اوّل روز ہی اپنی نیت درست کرنے کی ضرورت اور اپنے مقام کی معرفت حاصل کرلینا لازمی ہے تاکہ شاہراہِ علم کا یہ سفر مکمل شعور، اطمینان، یکسوئی اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ طے ہو۔

جہاں تک حصول رزق کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (الآیة)

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَکُمْ مَعِیْشَتَکُمْ (الآیة)

ان شاءاللہ جو روزی لکھ دی گئی ہے وہ مل کر رہے گی۔ اگر آپ خود کو دینی خدمت کے لیے وقف کردیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں فرمائیں گے بلکہ وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَایَحْتَسِبُ کے مصداق آپ کو رزق ملے گا، اور آپ چاہیں کہ خود کو حصول رزق میں مشغول کریں تو اس دنیا میں ہزاروں طریقے ہیں جنہیں اختیار کرکے آپ اپنی معیشت کا بندوبست کرسکتے ہیں، اس کے لیے کسی مدرسہ کی سند ضروری نہیں۔

چناں چہ آپ نے جب مدرسہ کی چاردیواری میں قدم رکھ دیا ہے تو اب سود وزیاں کے احساسات، اندیشہ ہائے دُور دراز اور مستقبل کے توہمات کو سر سے جھٹک دیجیے۔ اپنے آپ کو علم دین کے حصول کے لیے وقف کرلیجیے...... ان شاء اللہ؛ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہوگا۔ وماعلینا الا البلاغ!۔

☆......☆......☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق دامت برکاتہم العالیہ

نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مملکتِ خداداد پاکستان اس وقت بیشمار داخلی اور خارجی خطرات سے دوچار ہے اور دیگر اقوام جو برق رفتاری سے ترقی کی راہ پر گامزن ہیں، کے مقابلے میں ہم معاشی اور سماجی مسائل سے نمٹ رہے ہیں۔ معاشرے کا ہر باشعور محبِ وطن فرد موجودہ حالات کی نوعیت کے اعتبار سے پہلے سے زیادہ اس بات کا ذمہ دار ٹھہر چکا ہے کہ وہ اپنی تمام تر ذاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ملک کو اس بحران سے نکالنے میں اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کرے۔

مختلف شعبہ ہائے زندگی کے افراد کی طرح مدارسِ اسلامیہ سے وابستہ اشخاص بھی اس فرض سے سبکدوش نہیں ہوسکتے کہ وہ ملک وملت کی ترقی اور خوشحالی کیلئے مثبت اور تعمیری سرگرمیوں میں حصہ لے کر وفاداری کا عملی ثبوت پیش کریں۔ امسال ملک بھر کے جامعات اور مدارس نے ہزاروں کی تعداد میں فضلاء اور علماء تیار کئے اور ان کے ناتواں کندھوں پر بوجھ ڈالتے ہوئے معاشرے کی تشکیل کیلئے ان کو پابند بنایا کہ وہ اب جاکر باقاعدہ اور عملی طور پر اپنا کردار ادا کریں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم نے ان آٹھ دس سالوں میں طلباء کو کیا پڑھایا؟ ان کی ذہن سازی میں کس طرح کے مواد کا سہارا لیا؟ اور ان کو کس قدر صالح اور باکمال بنایا؟

بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے مدارس سے جب طلباء نکلتے ہیں تو ان کی ترجیحات میں واضح تبدیلی محسوس کی جاتی ہے۔ سب طلباء دین سیکھنے کی نیت سے آتے ہیں اور آٹھ دس سال قوم کے سرمایے پر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور پھر فراغت کے بعد جب معاشرے میں نکلتے ہیں تو ان کے کردار وعمل میں وہ پختگی اور استواری نظر نہیں آتی جو کسی متمدن قوم کی تعمیر میں درکار ہوتی ہے۔ یہاں مدارس کے تعلیمی ماحول میں ہم اور آپ طلباء کو فقہی اختلافات پڑھاتے ہیں، قواعد بیان کرکے ان پر تفریعات پیش کرتے ہیں جس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم مسلکی بنیادوں پر غیر ضروری ابحاث میں پڑ کر اپنا اور طلباء کا قیمتی وقت ضائع کرنا چاہتے ہیں؛ بلکہ اس کا مقصد فقط علمی بحث ہوتی ہے کہ طلباء میں موجود مخفی اور پوشیدہ علمی استعداد بیدار کرکے ان کو استدلال اور دلیل کی قوت پر یکجا کیا جائے۔ ہماری تعلیمی روایات یہ نہیں کہ ہم اختلافی اور متنازعہ مسائل میں الجھ کر ایک دوسرے کو نیچا دکھائیں۔ ہماری

تعلیمی روایات اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ فروعی فقہی اختلافات کو ہمارے اکابرین نے اتنی ترجیح نہیں دی کہ اصول اور مقاصد کو بھول گئے ہوں؛ بلکہ مقاصدِ دینیہ اور اصولِ شرعیہ پر اتفاق رہا تو فقہی مسائل اور اختلافات کو صرف درسگاہوں تک محدود رکھا۔ ہماری علمی اور تعلیمی روایات میں امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بڑھ کر دلیل کیا ہوسکتی ہے؟ اور امام صاحب کے تلامذہ بالخصوص امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ سے بڑھ کر کون سند اور حوالہ ہوسکتا ہے؟ ان کے گرد گھومتی ہماری فقہ میں سینکڑوں مسائل اختلافی ہیں لیکن کہیں بھی غیر سنجیدہ اور غیر ذمہ دارانہ موقف استاد سے سننے اور دیکھنے کو ملا نہ شاگردوں سے، اور اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کسی فرد نے بھی ذاتی تشہیر اور مفادات کیلئے شریعت اور دین کا تصور مسخ نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو اس کی اجازت دی۔

اس شاندار علمی تاریخ اور تعلیمی روایت کے ہوتے ہوئے بھی ہم طلباء کو مدارس سے دین کا خادم بنا کر فارغ کرتے ہیں لیکن وہ مسلک کے دفاع اور ترویج میں لگ کر دانستہ یا غیر دانستہ طور پر دین کی بیخ کنی اور اسلام کے تصور کے خلاف سرگرمیوں پر کاربند ہوکر آگے بڑھنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ اسلام جو آفاقی پیغام اور عالمگیر دین اور نظامِ حیات ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر حاوی ہے، کو اتنا محدود کر کے پیش کرتے ہیں کہ سامنے والا یہ سوچنے لگتا ہے کہ اگر میں نے نماز میں رفع الیدین کیا تو میں دائرہ اسلام سے خارج ہوجاؤں گا.....فیاللعجب!

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بنیادی کمزوری کہاں سے پیدا ہوئی؟ نصابِ تعلیم پر تو نظرثانی کی ضرورت نہیں، جہاں محسوس کی گئی وہاں ہم سر جوڑ کر بیٹھے ہیں کہ نصابِ تعلیم کو کن خطوط پر استوار کریں کہ کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جاسکے، البتہ نظام تعلیم یعنی اندازِ تدریس میں کوئی نقص ہے جو اس قدر بھاری نقصان کا باعث بن رہا ہے کہ ہم اپنے بنیادی مقصد کے حصول میں پیچھے رہ گئے۔

سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ اسلام صرف شخصی اور ذاتی زندگی کیلئے راہنما اصول وضع نہیں کرتا اور نہ ہی اسلام دیگر مذاہب وملل کی طرح صرف انفرادی زندگی کی تشکیل کیلئے آیا ہے؛ بلکہ اسلام ایک مکمل ضابطہِ حیات ہے جو انفرادی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی تک، سماجی زندگی سے ہوتے ہوئے معاشرتی اور سیاسی ومعاشی زندگی کیلئے ایک اکمل و مکمل نظام بن کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا، اور اس کی قولی توضیح وتشریح قرآن کریم اور عملی نمونہ اور آئیڈیل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیظھرہ علی الدین کلہ کا مکلّف بنایا کہ دین کو باقی تمام ملل وادیان پر حاوی کرنا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی تھا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس سالہ مختصر مدت میں پورا کیا اور قرآن کریم عملاً نافذ ہوا اور دیگر اقوام اور ملل ثانوی حیثیت میں باقی رہے کیونکہ ان کے متبعین اسلام کو بالادست دین کے طور پر قبول کرنے

لگےاور جزیہ دیتے رہے۔

اب اس دین کی آفاقیت اور عالمگیریت پر غور کر کے خود یہ فیصلہ کیجئے کہ کیا ہم ان فروعی اور ذیلی اختلافات میں پڑنے کے متحمل ہو سکتے ہیں؟ اگر جواب نہیں میں ہے تو ہمارے نظام اور نصاب سے نکلنے والے وکیلِ دین کے بجائے وکیلِ مسلک کیوں بنتے ہیں؟ مسلک کی اہمیت وافادیت سے انکار ممکن نہیں، لیکن دین تو وہ نہیں جس پر اتنا جھگڑا اور ہنگامہ برپا کیا گیا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ مخصوص لوگ بالکل فضول اور عبث کام میں لگے ہیں بلکہ میری مراد یہ ہے عصرِ حاضر میں جو چیلنجز ہیں ان سے نمٹنے کیلئے طریقہ کار وضع کرنا وقت کا تقاضا ہے۔ آج ہم سیاسی طور پر شدید بحران کا شکار ہیں، اور معاشی طور پر دیوالیہ ہونے جا رہے ہیں، سماجی زندگی میں بھی ذلت اور رسوائی کے آخری حدود کو چھو رہے ہیں تو ان حالات کا تقاضا یہ نہیں کہ ہم طلباء اور فضلاء کو ان معاملات میں الجھائیں، بلکہ ہمیں یہ فکر عام کرنی چاہیے کہ قوم کو ان مسائل سے کیسے نکالا جائے؟.....کن سیاسی اصولوں پر ملک کو سیاسی بحران سے نکالا جائے؟ کن معاشی ضوابط پر عمل کر کے ہم معاشی طور پر مستحکم ہو سکتے ہیں؟ اور سماجی زندگی کو خوشگوار بنانے کیلئے کس طرح کا لائحہ عمل طے کرنا چاہیے؟ ان سب مسائل کا فوری اور دیرپا حل تو قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں یقیناً موجود ہے لیکن قوم کو اس کے متعلق آگاہ کرنا ہمارا فرض ہے۔ ورنہ کتمانِ علم وحق کے مجرم بن کر ہمارا بھی تاریخ میں بدنما داغ کے طور پر نام لکھا جائے گا. اسلئے میں اپنے فضلاء کو تاکیدی طور پر یہ حکم دیتا ہوں کہ اگر کوئی مجھے برا بھلا کہتا ہے تو آپ اس کو معاف کر کے سینے سے لگاؤ اور اس کو یہ یقین دلاؤ کہ آپ اس کی خیر خواہی اور مسائل کے حل میں مخلص اور سنجیدہ ہے.

ہماری ذات، مذہب اور دین کے مقابلے میں یکسر غیر اہم اور غیر ضروری ہے۔ دین کی ترویج واشاعت ہماری اولین ترجیح ہونی چاہیے کیونکہ ہماری بقاء اسی میں ہے کہ ہم تمام تر ذاتی اغراض ومفادات سے بالاتر ہو کر دین کی آفاقیت اور عالمگیریت کو مدنظر رکھتے ہوئے قوم کے مسائل کا ادراک کریں اور ان مسائل کے حل کیلئے مثبت پیش قدمی جاری رکھیں۔ عہدِ رسالت میں سینکڑوں ایسے واقعات رونما ہوئے جن میں تمام صحابہ کرام نے اپنی ترجیحات سے دستبردار ہو کر دین کے متعلق سوچا، صلح حدیبیہ کا واقعہ اس حوالے سے اصل الاصول ہے کہ مقابل کفار مکہ تھے، صلح کی تمام شرائط جانبدارانہ طرز پر طے ہوئیں؛ اور اس میں ظاہری طور پر مسلمانوں کا نقصان ہی نقصان تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا اور تمام صحابہ کرام کو اپنے جذبات اور احساسات کو اس پالیسی کے تابع کرنے پر تیار کیا جو آپ تجویز کر چکے تھے۔ یہ جاننے کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے سریع الغضب اور بہادر سپاہی کیسے نرم اور سرد پڑ گئے، کیونکہ ان کی نظر میں اسلام مقدم تر تھا اور دین کی آفاقیت کو وہ سمجھ چکے تھے۔ دین محدود نہیں رکھا جا سکتا بلکہ

اس میں آفاقیت اور عالمگیریت مضمر ہے۔

تو ہمیں چاہیے کہ ہم طلباء کو دین کا اصل بتائیں کہ دین وہ نہیں جس پر آپ ایک دوسرے کا سر پھوڑ رہے ہیں اور نہ ہی وہ دین ہے جس کی خدمت اور ترویج کیلئے آپ الزام اور گالی کا سہارا لیتے ہیں، بلکہ دین تو وہ ہے جس پر عمل کرتے ہوئے آپ خود کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر فنا کر بیٹھتے ہیں۔ تب آپ کا لہجہ مخالف اور موافق سب کیلئے یکساں ہوگا۔ تب آپ الزام تراشی خود کی طرح دوسروں کیلئے بھی پسند نہیں کریں گے۔ یوں آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین وہ تعلق استوار ہوگا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے دنیا کو دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی زبان سے آپ حق کا پرچار کریں گے، لیکن اس مقام تک رسائی کیلئے آپ کو اپنی ترجیحات میں تبدیلی لانی ہوگی۔ آپ اپنی کتابوں میں جو فقہی اختلافات پڑھاتے ہیں کبھی آپ نے ان پر غور کیا ہے کہ وہ اکثر و بیشتر اولیٰ و غیر اولیٰ کے اختلافات ہیں۔ کتاب الصلاۃ کو بطور مثال فرض کیجئے کہ اس میں سوائے ایک دو مسائل کے کوئی ایسا اختلافی مسئلہ نہیں جس پر صلاۃ کے صحت وفساد کا مدار ہو۔ سب افضلیت اور اولویت کا اختلاف ہے، اس طرح دیگر فروعات کا معاملہ ہے تو ہم کیونکر قوم کو ان مسائل میں الجھائیں گے جن پر فائدہ کم نقصان زیادہ مرتب ہوتا ہے۔ تو خدارا!.....اسلام کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور قوم کو اس نرغے سے نکالیں، یہاں بہت سے اور بھی قابلِ غور مسائل ہیں جن کا حل سوچنا ضروری ہے۔ اپنے قیمتی اوقات اور استعداد کو ان پر خرچ کریں۔

ہمارے مدارس (غیر منقوط)

مدرسہ سالہا سال سے اسلامی علوم کا اہم حصار ہے، اسلامی علوم کا محصّل اس حصار کا رکھوالا ہے، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدرسے کے مؤسس اول رہے، مدرسہ کلام اللہ اور کلام رسول کا محور اور سدا سے دوامِ اسلام اور اردگرد کے لئے اصلاح کا داعی ہے، کئی ممالک کے لوگوں کے لئے مدارس معمور ہوئے، اور کئی عرصے علم و عمل سے ماحول معطر ہوا، اسی مدرسے سے سارے عالم کو اعلیٰ اسلامی اسکالر ملے، عصرِ رواں کے گوروں کو آسودہ حالی اسی گھاٹ سے ملی، گوروں کی مکاری کارگر ہوئی، اور ہمارا علمی ماحول مُلا اور مسٹر دو الگ الگ حصے ہوا، مگر ام المدارس کی اصل گوروں کے لئے مہلک مار ہے، اس لمحے ام المدارس ہی آگے ہے، اسے امداد اللہ مکی رح اور دوسرے صلحاء کی دعا ہے، اسی کے واسطے ہی عدو سے ہماری رہائی سہل ہوئی، ہمارے مدارس کا مدرس و محصل سارے عالَم کے لئے عمدہ مصلح ہے، عدو عرصے سے احمدی کی طرح کئی کردار لا کر حملہ آور رہا، مگر اسلام کی اساس اسی مدرسے کے ورے سالم رہی، محمودؒ و لاہوریؒ، امروٹیؒ و عطاء اللہؒ مدرسے کے ہی محصل رہے، مگر مسلم سوسائٹی کے دلوں کو مدارس اور علماء سے دور کر کے اسلام کے عدو مسرور ہوئے، اللہ سے دعا ہے کہ مدارس کو دوام ملے، ملک کو صلاح ملے، اور مسلم سوسائٹی کو اصلاح۔ (فضل الرحمٰن جسکانی)

علماءِ امت سے کچھ خاص خاص باتیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے علوم ومعارف عام وخاص.....سب کے لیے فیض عام کی حیثیت رکھتے ہیں۔حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح وانقلاب کی تجدیدی مساعی کے مختلف پہلو ہیں۔ان میں ایک پہلو اہل علم سے متعلق بھی ہے۔حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اہل علم سے متعلق کچھ صاف صاف باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی طرح طبقہ اہل علم بھی اصلاح وتہذیب اور تزکیہ کا محتاج ہے۔ذیل میں آپ کے مطبوعہ مواعظ میں سے منتخب اقتباسات کا سلسلہ دیا جارہا ہے۔اسے جناب صوفی محمد اقبال قریشی رحمہ اللہ نے ترتیب دیا اور حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کتب خانہ سے اس مفید مجموعہ کو شائع کروایا۔(ادارہ)

مشائخ وعلماء کو اعتدال فی الشفقت کی ضرورت:

فرمایا.....بعض مشائخ وعلماء کی حالت یہ ہے کہ غلبہ شفقت میں ہر شخص کے کام میں گھس جاتے ہیں، ہر معاملہ میں مشورہ بھی دیتے ہیں اور ہر شخص کی خدمت کو تیار ہوجاتے ہیں، اس سے وہ اپنا نقصان کر لیتے ہیں کہ نہ معمولات کا انضباط رہتا ہے نہ کسی وقت یکسوئی حاصل ہوتی ہے نہ کوئی وقت تنہائی کا ان کو ملتا ہے؛ ہر وقت مجلس جمائے بیٹھے رہتے ہیں اور دوسروں کی دنیا سنوارنے میں اپنا دین برباد کر دیتے ہیں یہ حالت قابل اصلاح ہے مگر آجکل مشائخ اس کو عین طاعت سمجھتے ہیں۔(التزام فی التراحم ص:٦،ص:٧)

محنت علم میں ضرورت اعتدال:

فرمایا.....اب میں مدرسین ومتدرسین سے کہتا ہوں کہ محنت اتنی کرو اتنی محنت لو جس کا تحمل ہو سکے۔

بعض مدرسین طلبہ کو بعض کتابیں حفظ کراتے ہیں، یاد رکھو یہ محض فضول ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں، بس طالب علم تین باتوں کا لحاظ رکھے اور ہمیشہ کے لیے ان پر دوام رکھے؛ ان شاء اللہ اس کی استعداد اچھی ہوگی اور یہی تین باتیں اس کے واسطے کافی ہوں گی:

ایک یہ کہ سبق سے پہلے مطالعہ کرے، دوسرے سبق سمجھ کر پڑھے بدوں سمجھے آگے نہ چلے، تیسرے یہ کہ سبق پڑھنے کے بعد ایک بار اس کی تقریر کرلیا کرے خواہ تنہا یا جماعت کے ساتھ تکرار کرے۔اس سے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں کیوں کہ زیادہ محنت کا انجام اچھا نہیں۔(الحدود والقیود ص:٣٠)

مشائخ کو تعلقات سے گریز کی ضرورت:

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا.....آجکل کے مشائخ تو کیمیا گر سے بھی گئے گزرے ہیں، کیمیا گر ایک نہایت پست کمال کی وجہ سے منہ نہیں لگاتا۔ بڑے بڑے دنیا دار اور مالدار اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، مگر وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، کیسا استغنا ہوتا ہے؟! اور مشائخ دعویٰ کرتے ہیں شیخ ہونے کا۔ حق تعالیٰ سے تعلق کا؛ محبت کا؛ اور پھر مخلوق کی طرف اور ان کی چاپلوسی کرتے ہیں۔ مجھ کو تو ایسی باتوں سے طبعاً غیرت آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ دین کا نفع پہنچانے کے لیے اخلاق کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اور مخلوق سے تعلق رکھا جاتا ہے مگر یہ سب محض زبانی جمع خرچ ہے۔ دل میں کچھ اور ہے، تعلق کو میں منع نہیں کرتا تملق کو منع کرتا ہوں اب تو تملق ہی دیکھا جاتا ہے۔ (الافاضات الیومیہ، ج:۸،ص:۲۶)

علماء کو ظاہری شان وشوکت سے رہنا مناسب نہیں:

فرمایا..... ہماری عزت تو اسی میں ہے کہ حجروں میں بیٹھیں اور جو کچھ ہو سکے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتے رہیں اور ہم کو ایسی غریبانہ وضع سے رہنا چاہیے کہ غریب سے غریب آدمی بھی آکر رات کو ہم کو جگا سکے۔ چاہے اس کے جگانے سے ہم لڑ ہی پڑیں؛ مگر وہ اس کی جرأت کر سکے اور علماء کو ظاہری شان وشوکت سے رہنا مناسب نہیں اس لیے کہ غریب مسلمان استفادہ نہیں کر سکیں گے میں تو ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں۔ (الافاضات الیومیہ، ج:۸ص:۱۹۵)

مدرسہ کی تملیک شدہ رقم سے قرض دینا جائز نہیں:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ روپیہ مدرسہ میں بطور تملیک دیتا ہوں تو یہ رقم مدرسہ کے ملک ہو جائے گی اور اس میں سے قرض دینا جائز نہ ہوگا اور اگر مدرسہ میں بطور اباحت دے دیا ہے اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس میں سے قرض بھی دیا جا سکتا ہے تو یہ رقم مدرسہ کی ملک نہ ہوگی جس کو روپیہ سپرد کیا گیا ہے اور مالک وہی دینے والا رہے گا۔ اگر وہ مر گیا تو باقی رقم ورثاء کو واپس کر دی جائے گی اس کو مدرسہ میں یا کہیں اور صرف نہیں کر سکتے اور حولان حول پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی ان باتوں کا اہل مدارس کو قطعاً خیال نہیں حالانکہ سخت ضرورت خیال کرنے کی ہے۔

دکاندار ومشائخ کا حال:

فرمایا.....بعض لوگ جو مشائخ کہلاتے ہیں اور مصلح بنے بیٹھے ہیں ان کو حرام وحلال تک کی پروا نہیں، خدا کا خوف قلب پر نہیں، دوسروں کی کیا اصلاح کر سکتے ہیں؟ ایسے پیروں کی یہی حالت ہے کہ اپنی دعوت کے ساتھ سینکڑوں کی

دعوت کرادیتے ہیں سندھ میں تو دو دوسو چار چار سو (افراد کی) دعوتیں ہوتی ہیں، اونٹوں کی دعوتیں ہوتی ہیں، ایسا کرنے کو خلوص پر مبنی کرتے ہیں، چاہے دوسرے کے پاس خلوص تو کیا فلوس بھی باقی نہ رہے، اچھی خاصی ڈکیتی ہے اور چونکہ اس میں رسم کا جبر ہوتا ہے اس لیے لفظی اجازت کافی نہیں۔ (الافاضات الیومیہ، ج:۶ ص:۱۰۳)

بصیرت فی العلم کے لیے بزرگوں کی صحبت کی ضرورت:

فرمایا:.....بصیرت فی العلم کے لیے کسی بزرگ کی صحبت کی ضرورت ہے یعنی پہلے صحبت ہو اور اس کے بعد علوم حاصل کرے تو بے حد نافع ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے معدہ، اگر اپنی اصلی حالت پر نہ ہو تو وہ لطیف سے لطیف غذا اور دوسری چیزوں کو باہر پھینک دیتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ پہلے طبیب سے معدہ کی اصلاح کرائے تب غذا کھائے تو نافع ہے۔ (الافاضات الیومیہ، ج:۶، ص:۱۶۰)

اہل علم کو شبہ بدگمانی سے بچنے کی ضرورت:

فرمایا.....آجکل لیڈر پہلے ہی علماء سے بدگمان ہیں اور لیڈروں کی حفاظت بھی ہمارے ذمہ ہے وہ بھی تو آخر امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہیں، اس لیے علماء کو مواضع تہمت سے بچنا ضروری ہے۔ مولوی عبدالماجد صاحب دریا آبادی راوی ہیں کہ ایک لیڈر نے ان سے کہا تھا کہ میرا ایمان تو قریب زوال کے ہوگیا تھا کیونکہ مولویوں کی طرف سے مجھ کو بدگمانی ہوگئی تھی اور علماء کی حالت دیکھ کر ایمان پر قائم رہنا مشکل ہوگیا تھا۔ اسلام پر جو میں قائم ہوں تو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کو دیکھ کر، اگر ان کو نہ دیکھتا تو میرا ایمان زائل ہوجاتا۔ تو علماء کو ایسی وضع سے رہنا چاہیے کہ ان کو دیکھ کر ایمان تازہ ہو، بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ چاہے یہ حالت ریاہی سے کیوں نہ ہو ریا سے اس عمل کا ثواب تو نہ ہوگا مگر یہ عمل سبب ہوگا عزتِ دین کا۔ (الافاضات الیومیہ، ج:۱، ص:۱۲۸۔۱۲۶)

مدارس کے جلسوں میں اخراجات طعام:

فرمایا.....مدرسہ کے جلسوں میں مدرسہ سے رقم خرچ نہ کی جائے، اس میں مجھے بہت زیادہ وہم ہے اور اپنے لیے تو میں فتوے کے درجہ میں ناجائز سمجھتا ہوں بلکہ جلسہ کے لیے خاص چندہ جلسہ کے نام سے ہونا چاہیے جیسا یہاں ہوا۔

دوسرا یہ کہ شہروں میں مدرسہ کی طرف سے کسی کی دعوت نہ کی جائے بلکہ دو چار دو چار دکانیں کھول دی جائیں جن میں اچھا کھانا قیمت سے مل سکے تاکہ اہل مدرسہ کو کھانے کے انتظام سے سبکدوشی ہوجائے کیونکہ میں نے جلسوں میں دیکھا ہے کہ بعض منتظمین وعظ ونصیحت کے سننے سے بالکل محروم رہے اور بعضے کئی رات تک نہیں سوئے۔ (دارالمسعود ص ۳۷)

علماء کو شہرت سے بچنے کی نصیحت:

فرمایا.....علماء کو ایک بات کی اور نصیحت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جس کے سر پر بڑے موجود ہوں اس کو اپنی شہرت کی کوشش نہ کرنا چاہیے بلکہ جہاں تک ہو اپنے کو گم کرو کیونکہ بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے اور شہرت سے دنیوی مصائب کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔(اتباع العلماء)

اہل علم کے لیے انتظامی کاموں سے الگ رہنا ہی بہتر ہے:

فرمایا..... میں تو اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس وتدریس کا موقع نصیب فرمائیں تو انتظام واہتمام کو اپنے لیے قبول نہ کریں؛ کیونکہ دونوں میں تضاد ہے۔مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کے لیے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں لگے رہیں، مقامی اور ملکی سیاست سے یکسو رہیں۔(مجالس حکیم الامتؒ، ص:۸۴)

مدارس عربیہ اور ان کے طلباء کے لیے ایک خاص نصیحت:

فرمایا..... ہمارے زمانے میں طلباء اساتذہ کے سوا کسی کا رنگ واثر نہ جمتا تھا۔طلباء کو اپنے اساتذہ سے خاص عقیدت ومحبت اور اساتذہ کو ان پر خاص شفقت ہوتی تھی۔اب مزاج ومذاق بدل گئے۔طلباء واساتذہ میں وہ تعلق قائم نہیں رہا۔اس لیے علمی ذوق اور علمی رنگ بھی ان میں پیدا نہیں ہوتا اور کسی رنگ میں پختہ نہیں ہوتے۔علمی استعداد اور عملی تربیت سب ہی کمزور ہوگئیں۔اس لیے مدارس میں طلباء کی عملی تربیت اور اساتذہ کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا اور ایسے طریقے اختیار کرنا بہت ضروری ہیں کہ طلباء واساتذہ میں باہم ربط ومناسبت پیدا ہو اور استعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے فرمایا کہ میرے نزدیک اس وقت بہت ضرروی ہے کہ ہمارے مدارس میں تفسیر جلالین سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ التزام سے پڑھایا جائے۔(مجالس حکیم الامتؒ ص۲۳۶)

طلباء کو صحبت اہل اللہ کی وصیت:

فرمایا.....طلبہ کو وصیت کرتا ہوں کہ نری درس وتدریس پر غرور نہ ہوں، اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت وصحبت اور نظر عنایت پر، اس کا التزام اہتمام سے رکھیں (انفاس عیسی حصہ دوم ص۵۷۶)

☆☆☆

قرآنِ کریم سمجھ کر پڑھنے کی اہمیت

اور عدمِ تدبر کے نقصانات

مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی

قرآن کریم اللہ رب العالمین کا لازوال کلام ہے؛ جو قیامت تک کی انسانیت کے لیے سرچشمہ ہدایت اور حق و باطل کی کسوٹی ہے۔ جس کا ہر ہر حرف منارِ نور، ہر ہر آیت مشعلِ راہ اور ہر ہر جملہ ہدایت کی روشن دلیل ہے۔ قرآن مجید خالقِ کائنات کا وہ سدا بہار، دائمی، عالمی اور انقلابی پیغام ہے، جو کتاب ہدایت بھی ہے اور کتاب زندگی بھی۔

قرآن کریم کے الفاظ بھی محفوظ ہیں کہ اس کی ذمہ داری خود صاحب کلام نے لی ہے .. جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْن (الحجر:۹)

''بیشک ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اس کے معانی بھی مجموعی طور پر محفوظ ہیں کہ اس کے معانی کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالی نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا. جنہوں نے اس کے حقیقی معانی کو امت کے سامنے واضح طور پر بیان فرمایا. جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل:۴۴)

''اور ہم نے (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی طرف قرآنِ کریم نازل کیا تا کہ جو چیز ان کے لیے اتاری گئی ہے آپ اسے ان پر واضح کریں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی تشریح وتبیین فرمائی؛ بلکہ آپ نے عملی طور پر اس کو برت کر بھی دکھایا، جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کان خلقه القرآن کہ رسول اللہ کے اخلاق کلام الٰہی کا پرتو تھے .

نہ تو اس کے الفاظ میں کسی قسم کے شک کی گنجائش ہے، نہ معانی میں شبہ کا کوئی امکان ہے۔ اس لیے کہ یہ کتاب لاریب فیه ہے۔

اس کے الفاظ میں برکت اوراس کے معانی میں ہدایت ہے ... تدبر وتفکر کے ذریعے ہم اس کی ہدایت تک پہنچ سکتے ہیں اوراس کی برکتوں سے مالا مال ہو سکتے ہیں) کِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْا آیَاتِهٖ و لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (ص:۲۹)

ترجمہ:''(یہ قرآن) بڑی برکت والی کتاب ہے، جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور عقلمند نصیحت حاصل کریں۔

الفاظ قالب ہیں اور معانی ومضامین اس کے لیے روح ہیں ...اور قرآن الفاظ ومعانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے

القرآن هو اسم للنظم و المعنیٰ جمیعا.

اسے بغیر سمجھے بھی پڑھنا خیر وبرکت کا سبب اور اجر کا باعث ہے.. جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من قراء حرفا من کتابِ اللّٰهِ فله به حسنة ، والحسنة بعشرِ امثالِها (ترمذی) یعنی جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف بھی پڑھے گا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کو دس گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔

نزولِ قرآن کا مقصد حصول ثواب یا تحصیل ہدایت:

قرآن کریم تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ، انوار وبرکات اور اجر وثواب کا خزانہ اور تمام انسانیت کے لیے آب حیات ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ کہ کیا نزول قرآن کا مقصد صرف حصول ثواب ہے، کہ امت کو زیادہ سے زیادہ اجر وثواب پانے کے مواقع فراہم کرنے لیے یہ کتاب مقدس نازل کی گئی ہے؟

یا اس کے نزول کا مقصد کچھ اور بھی ہے اور اس مقصد کو پانے کے لیے بطور ترغیب وعطا ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے؟!۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم خود اپنا تعارف کس طرح کراتا ہے اور نزول کا مقصد کیا بتاتا ہے .

قرآن مجید کے نزول کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے سورہ بقرہ میں اللہ تعالی نے فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدیً لِلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدیٰ وَالْفُرْقَانِ (البقرہ:۱۸۵)

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے سراپا ہدایت اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دکھاتی اور حق وباطل کے درمیان دوٹوک فیصلہ کر دیتی ہیں۔''

سورہ بقرہ ہی کی دوسری آیت ہے: **الٓمّٓ .ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدیً لِّلْمُتَّقِیْن**'' یہ (وہ عظیم) کتاب ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، (یہ) پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔''

اگرچہ قرآن کریم نے ہر ایک کو صحیح راستہ دکھایا ہے، خواہ وہ مومن ہو یا کافر، اس لئے اس معنی کے لحاظ سے اس کی

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ہدایت سب کے لئے ہے؛لیکن نتیجے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس ہدایت کا فائدہ انہی کو پہنچتا ہے، جو اس کی بات کو مان کر اس کے تمام احکام اور تعلیمات پر عمل کریں، اس لئے فرمایا گیا کہ یہ قرآن ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ جَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِين ، يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم (المائدہ:۱۵)

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی (قرآن) آئی ہے، اور ایک ایسی کتاب جو حق کو واضح کر دینے والی ہے، جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہ دکھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، اور انہیں اپنے حکم سے اندھیریوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا کرتا ہے۔''

سورہ نساء آیت:۱۷۴ میں فرمایا گیا:وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْراً مُّبِيْناً: ''اور نازل کر دیا ہے ہم نے آپ کی طرف ایک روشن نور،، یعنی قرآن کریم''۔

سورہ یونس میں فرمایا:هُدىً وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْن ''یہ کتاب ہدایت ہے اور رحمت ہے، ایمان والوں کے لیے۔''

سورہ لقمان میں فرمایا:هُدىً وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُحْسِنِين ''قرآن کریم ہدایت اور رحمت ہے محسنین کے لیے۔''

سورہ بقرہ اور سورہ النمل میں ہے:هُدىً وَّ بُشْرىٰ لِلْمُؤمِنِين قرآن کریم خوش خبری اور ہدایت ہے مومنوں کے لیے۔

جبکہ سورہ آل عمران میں اور سورۃ المائدہ میں:هدىً وَّ مَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِيْن کے الفاظ آئے ہیں۔یعنی قرآن کریم ہدایت اور نصیحت کا سامان ہے پرہیزگاروں کے لیے۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا مقصد نزول "هُدىٰ "یعنی ہدایت ہے، اسی وجہ سے هدیٰ کا لفظ قرآن حکیم کے لیے کثرت کے ساتھ آیا ہے۔

تین مرتبہ تو اس آیت مبارکہ میں آیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کو بیان کرتی ہے:

هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدىٰ وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّه (التوبۃ، الفتح، الصّف)

''یعنی وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کا سامان قرآن کریم اور اس سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو یہ غلبہ ناپسند ہو۔''

اسی طرح سورۃ النجم میں فرمایا: وَ لَقَدْ جَآءَ هُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی ۔یعنی ان کے رب کی طرف سے ھدایت کی کتاب آ چکی۔

سورۃ الجن کا آغاز جنات کی ایک جماعت کے اس قول سے ہوتا ہے:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَ لَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَا اَحَداً ()

''انہوں نے کہا: بیشک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا؛ جو بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''

آگے چل کر ان کے الفاظ ہیں: وَ اِنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰی اٰمَنَّا بِهٖ () یعنی جب ہم نے ہدیٰ یعنی قرآن کو سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے..... گویا سورۃ الجن نے یہ متعین کر دیا کہ قُرْاٰنًا عَجَبًا اور اَلْهُدٰی مترادف الفاظ ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں ہے:

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی (بنی اسرائیل: الکہف)

''کیا شے ہے جو لوگوں کو ایمان لانے سے روکتی ہے جب کہ ان کے پاس الہدیٰ یعنی قرآن آ چکا ہے؟۔''

اسی طرح سورہ شوریٰ کے ذیل کی آیت میں قرآن مجید کو روح نور اور ہدایت قرار دیا گیا

و کذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنا مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْراً نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَاوَ اِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الشوریٰ:۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی بھیجی۔ اس سے پہلے نہ آپ کتاب کو جانتے تھے نہ شریعت کے احکام کی تفصیل کو۔ لیکن ہم نے قرآن کو نور بنایا۔ جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں اور بیشک آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔''

ذیل کی آیت میں قرآن کو ہدیٰ اور رحمت کے ساتھ بصائر بھی قرار دیا گیا:

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًی وَ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ (جاثیہ:۲۰)

''یہ عام لوگوں کے لئے بصیرتیں ہیں اور یقین کرنے والوں کیلئے ہدایت و رحمت ہے۔''

عاقل یعنی غور و فکر کرنے والے اور سوچ بچار کرنے والے کے لیے ایمان کا منبع و سرچشمہ صرف قرآنِ حکیم ہے۔ ظفر علی خان نے اس کی شاندار تعبیر اس شعر میں کی ہے۔

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں!

مذکورہ آیات کریمہ سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن کریم کا اصل موضوع انسانوں کی ہدایت ہے .. یہ ایسا کامل مکمل دستور حیات ہے جس کی اتباع کے نتیجے میں انسان حقیقی فوز وفلاح اور دائمی سعادت کا مستحق بن جاتا ہے۔

رحمت، برکت اور ہدایت ملے گی تدبر قرآن کے ذریعے:

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد ہدایت ہے، قرآن کریم انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے ...اب یہ سوال ہے کہ قرآن کریم سے ہدایت کیسے ملے گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت ملے گی قرآن کریم کی آیات میں تدبر وتفکر کے ذریعے، سمجھ بوجھ کر تلاوت کے ذریعے، اس کے حقوق کو ادا کرنے کے ذریعے ...ایک صاحب ایمان کے لیے اپنی زندگی کو قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے لیے یقیناً بہت سے ذرائع ہو سکتے ہیں مگر ان تمام ذرائع میں قرآن ایسا ذریعہ ہے جو انسان کو براہِ راست اپنی خوب صورت، واضح اور دوٹوک زبان میں اپنا پیغام سناتا ہے۔

قرآنِ مجید کا یہ پیغام قرآن کے حروف میں پوشیدہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کی غالب اکثریت اس کو براہِ راست سمجھنے کی کوشش نہیں کرتی ہے۔ معمول کی تلاوتِ قرآن کی صورت میں محض حروف والفاظ کی حد تک قرآن سے وابستگی ہوتی ہے.....اگرچہ قرآن کریم کے الفاظ کے تلفظ وترنم کے اندر یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ انسان پر اثر انداز ہو، اور خرق عادت کے طور پر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرآن کے محض الفاظ سن کر ہی اشکوں کا سیل رواں جاری ہو جاتا ہے۔ مگر بالعموم دلوں کی کیفیت اسی وقت بدلتی ہے جب الفاظ کا معنی ومفہوم انسان کے دل ودماغ اور قلب وشعور میں اتر رہا ہو۔ ہم آیات تو پڑھ لیتے ہیں مگر ان کے اندر بیان کی گئی ہدایات سے یکسر نا آشنا رہتے ہیں۔

ہر صاحبِ ایمان کو قرآن کے ساتھ اپنے اس تعلق پر نظر ثانی کی ضرورت ہے:

ہر صاحبِ ایمان کو قرآن کے ساتھ اپنے اس تعلق پر نظر ثانی کی ضرورت ہے کیوں کہ قرآن کے الفاظ کی برکت مسلم ! لیکن اس کی حقیقی روح تو اس کے معانی اور مفاہیم میں مضمر ہے، اسی بنیاد پر اکتاہٹ اور بے دلی کی کیفیت میں قرآن کی قراءت سے منع کیا گیا ہے کہ اس طرح قرآن کے الفاظ کی ادائیگی تو ہو سکتی ہے، لیکن ان کے مفہوم سے آگاہ ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ قرآن کی تلاوت یا سماعت کے وقت تدبر وتفکر کی اہمیت تو قرآن کی اپنی آیات سے واضح ہے۔ قرآن پر عمل کرنے کے لیے قرآن کو سمجھنا اور اس کا فہم حاصل کرنا ضروری ہے اور جب فہم حاصل ہوتا ہے تو یہ دل کے اندر تاثیر چھوڑتا ہے اور یہی تاثیر عمل کا محرک بنتی ہے۔

اللہ کی سب سے عظیم نعمت قرآن کریم:

اللہ تعالی نے بندوں کو جتنی نعمتیں عطا کی ہیں، ان میں قرآن پاک سب سے بڑی نعمت ہے جس کی تلاوت اور معانی میں تدبر کے ذریعے ایک مسلمان خدا سے قریب ہوتا ہے اور خدا اس کے قریب آجاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کہ لوگوں میں کچھ اللہ کے خاص گھر کے لوگ ہیں، صحابہ کرام نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قرآن والے ہیں، یہ اللہ کے گھر کے لوگ اور خاص بندے ہیں.....اهل الله و خاصته.

یہ تعلق بندے کو اللہ سے اتنا قریب کر دیتا ہے جیسے کہ دنیا میں کسی کے خاص گھر کے لوگ ہوں۔

قرآن کریم میں تدبر کی لزومیت آیات کریمہ کی روشنی میں:

مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالی نے واضح انداز میں قرآن مجید کی آیات میں تدبر کرنے، سمجھ کر پڑھنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے لیے اللہ تعالی نے ان آیات میں تذکر اور تدبر کے الفاظ استعمال کیے۔

تذکر اور تدبر دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ الگ الگ یہ دونوں لفظ قرآن کریم کے بہت سے مقامات پر آئے ہیں البتہ سورص کی آیت میں دونوں الفاظ یکجا آگئے ہیں:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص:۲۹)

''یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔''

تذکر کا مطلب ہے قرآن مجید سے ہدایت اخذ کر لینا نصیحت حاصل کر لینا اصل راہ نمائی حاصل کر لینا۔ مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے قرآن مجید کے اتارنے کا اصل مقصد یہ بتایا کہ اس میں غور وتدبر کیا جائے اور اس سے عبرت ونصیحت حاصل کی جائے یہ مقصد نہیں ہے کہ بلا تدبر صرف زبانی تلاوت کی جائے۔ اگرچہ تلاوت کا بھی بڑا اجر وثواب ہے۔ چوں کہ یہی تدبر اور ہدایت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

حروف کو یاد اور حدود کو پامال؟

مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! قرآن میں غور وفکر اسے نہیں کہتے کہ اس کے حروف کو تو یاد کیا جائے مگر اس کے حدود کو پامال کیا جائے، یہاں تک کہ بعض لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے

پورا قرآن ختم کرلیا جبکہ ان کے اخلاق و کردار میں قرآن کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا (تفسیر ابن کثیر)

قرآن نے بار بار تذکر اور تفکر پر آمادہ کیا ہے تذکر ذکر سے بنا ہے۔ تذکر یاد دہانی کو کہتے ہیں۔ سورہ قمر میں یہ لفظ چار مرتبہ آیا ہے: وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟!

اور بیشک ہم نے قرآن کو یاد کرنے / نصیحت لینے کیلئے آسان فرمادیا؛ تو ہے کوئی یاد کرنے / نصیحت لینے والا؟

قابلِ ذکر ہے کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ نے اس آیت کریمہ کا ترجمہ ان جملوں سے کیا ہے:..... ''اور ہم نے آسان کردیا قرآن، سمجھنے کو، پھر ہے کوئی سوچنے والا؟''

سورہ تکویر میں فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ، لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ، وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (التکویر)

''وہ تو سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہی ہے۔ اس کے لیے جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے۔ اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

سورہ رحمٰن میں فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْآنٌ مُّبِيْنٌ ''وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن''۔

قرآن کا اصل ہدف یہی 'تذکر' ہے اور اس اعتبار سے قرآن کا دعویٰ سورۃ القمر میں چار مرتبہ آیا ہے:

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ..... ''ہم نے قرآن کو تذکر کے لیے بہت آسان بنادیا ہے تو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟''

قرآن تمام ذی شعور انسانوں کو جنہیں وہ اولوالالباب اور قوم یعقلون قرار دیتا ہے تفکر اور تعقل کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ:

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (یونس)

''اسی طرح ہم کھولتے ہیں اپنی آیات ان لوگوں کے لیے جو تفکر کریں۔''

اور فرمایا:..... وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل)

''اور اتارا ہم نے آپ پر ذکر تاکہ آپ جو کچھ لوگوں کے لیے اتارا گیا ہے اس کی وضاحت کردیں تاکہ وہ تفکر کریں۔''

اسی طرح فرمایا:..... كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (البقرہ)

''اسی طرح اللہ اپنی آیات کی وضاحت فرماتا ہے تاکہ تم اچھی طرح سمجھ بوجھ سکو۔''

سورہ زخرف میں فرمایا:.....اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْن (الزخرف)

''ہم نے اسے قرآن عربی بنا کر اتارا تا کہ تم اسے سمجھ سکو۔''

سورہ ص میں فرمایا: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص)

''(یہ قرآن) ایک کتاب مبارک ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تا کہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور سمجھ دار لوگ نصیحت حاصل کریں۔''

تدبر کے ساتھ تلاوت کرنے والے کی کیفیت:

جب انسان تدبر تفکر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو اس کی کیفیت بدل جاتی، اللہ کی عظمت کے احساس سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جنت اور اس کی نعمتوں کے تذکرے سے پر شوق ہوتا ہے اور جہنم اور اس کی ہولنا کیوں کے تذکرے سے خائف ہوتا ہے، اس کیفیت کی عکاسی کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (الزمر:۲۳)

ترجمہ: ''اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا، ایسی کتاب جس کی تمام باتیں ایک جیسی ہیں، بار بار دہرائی ہوئی، جو مسلمان اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔''

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (الانفال:۲)

''وہی لوگ مومن کامل ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوفزدہ ہو جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے رہیں۔''

چوں کہ قرآن کریم میں سب سے زیادہ تدبر تفکر رسول اللہ صلی علیہ وسلم کرتے تھے اس لیے یہ کیفیت سب سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ! آپ بوڑھے نظر آرہے ہیں کہ آپ کے بال سفید ہو گئے (آپ نے فرمایا مجھے سورہ ھود، سورۃ الواقعہ اور سورۃ المرسلات نے بوڑھا کر دیا۔ ان سورتوں میں

قیامت کا ذکر ہے، یعنی قیامت کی ہولنا کیوں کے خوف سے آپ کے بال سفید ہوگئے۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث ۔سنن الترمذی رقم الحدیث: 3297۔)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے قرآن سنا۔ تو میں نے سورۃ النساء پڑھی۔ حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِّشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا :اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ (النسا:۴۱) ۔حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 4582)

قرآن مجید کے پانچ حقوق:

ہر مسلمان پر حسب استعداد قرآن مجید کے پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں:

(۱).....اسے مانے جیسا کہ ماننے کا حق ہے۔ (ایمان وتعظیم)

(۲).....اسے پڑھے جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ (تلاوت وترتیل)

(۳).....اسے سمجھے جیسا کہ سمجھنے کا حق ہے۔ (تذکر وتدبر)

(۴).....اس پر عمل کرے جیسا کہ عمل کرنے کا حق ہے۔ (حکم واقامت)

(۵).....قرآن کو دوسروں تک پہنچانا اسے پھیلانا اور عام کرنا۔ (تبلیغ وتبیین)

حسبِ صلاحیت ان حقوق کی ادائیگی لازمی ہے اور ان میں کوتاہی کرنا حق تلفی ہے۔ (از فضائل قرآن، بیان القرآن)

قرآن مجید کے حقوق کو ادا نہ کرنا قرآن کو ترک کر دینے کے مترادف ہے۔ سورالفرقان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فریاد نقل ہوئی ہے، جو روز قیامت آپ اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں کریں .. فریاد کیا وہ مستقل مقدمہ ہوگا، ان لوگوں کے خلاف جو قرآن کریم کو چھوڑے ہوئے ہیں:

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

''اور رسول اللہ فریاد کریں گے کہ اے میرے رب ! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''

علامہ اقبال اسی آیت قرآنی کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کرتے ہیں:

خوار از مہجوری قرآں شدی

شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی

(اے مسلمان!) تیری ذلت اور رُسوائی کا اصل سبب تو یہ ہے کہ تو قرآن سے دور اور بے تعلق ہو گیا ہے لیکن تو اپنی اس زبوں حالی پر الزام گردشِ زمانہ کو دے رہا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللّٰہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع آخرین ۔حق تعالیٰ سبحانہ اس کتاب سے کسی قوم کو عزت دیتا ہے اور کسی کو ذلت، یعنی جس نے اپنا تعلق قرآن سے پیدا کر کیا معزز ہوا اور جس نے نہ کیا ذلیل ہو۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

قرآن مجید میں دو مقامات پر قرآن کے حقوق ادا نہ کرنے کو قرآن کی تکذیب قرار دیا گیا ہے۔ آپ لاکھ سمجھیں کہ آپ قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں لیکن اگر آپ اس کے حقوق کی ادائیگی اپنی استعداد کے مطابق اپنی امکانی حد تک نہیں کر رہے تو درحقیقت آپ قرآن کو جھٹلا رہے ہیں۔

امت مسلمہ کے زوال کے دو اسباب شیخ الہند کی نظر میں:

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے مالٹا کی تنہائیوں میں جو غور وخوض کر کے اس بیمار ملت کے لیے دوا تجویز کی تھی اے کاش اس ملت نے اگر اس نصیحت پر عمل کیا ہوتا تو شاید آج حالات اتنے ناگفتہ بہ نہ ہوتے، اور نہ صرف دوا تجویز کی تھی؛ بلکہ ترجمہ تفسیر کی شکل میں مالٹا سے نسخہ کیمیا بھی لے کر آئے تھے۔

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ اس سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''رہائی کے بعد ایک مرتبہ دارلعلوم دیوبند میں علما کے ایک مجمع میں آپ نے فرمایا: ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں!.....

یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلما درویش نے اسی سال علما کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟

فرمایا کہ: ''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن کریم کو چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے، بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب

ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔''

مفتی صاحب فرماتے ہیں: نباضِ امت نے مِلتِ مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی، باقی ایام زندگی میں ضعف وعلالت اور ہجومِ مشاغل کے باوجود اس کے لیے سعی پیہم فرمائی۔ (الخیر الکثیر، وحدتِ امت از مفتی شفیع عثمانی ص۔)

قرآن کریم کو چھوڑنے کی وجہ سے دنیا میں بھی ذلت اٹھانی پڑ رہی ہے اور آخرت میں بھی چھوڑنے والوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکایت فرمائیں گے۔

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو شفیع المذنبین ہیں، جن کی شفاعت ایک مسلمان کے لئے آخرت میں آخری سہارا ہے، اگر انہوں نے بھی آخرت میں ہمارے بارے میں یہ شکایت اللہ تعالی کی بارگاہ میں کردی کہ ہم نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا تھا تو پھر ہمارا ٹھکانہ کیا ہوگا؟

دنیا کی اکثر زبانوں کے مستند تراجم ہمارے لیے تحفہ ہیں:

اس لئے ہر مسلمان اس بات کا عزم کرے کہ اس کا کوئی دن بھی قرآن کریم کی تلاوت اور تدبر تفکر سے خالی نہیں جائے۔ یہ بات بھی نہیں کہ اس کو سمجھنے کے لئے بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہو، الحمدللہ اس دور میں تقریبا ہر زبان میں ہی قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر علما کی جانب سے لکھے جا چکے ہیں، اس لئے ہر مسلمان کوشش کرے کہ اپنے پاس کوئی مستند ترجمہ یا تفسیر رکھے اور اس کو پڑھ کر قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرے، چونکہ عام انسانوں کے لیے مستند ترجمہ تفسیر کی شناخت مشکل ہے؛ اس لئے کسی مستند عالم دین سے مشورہ کر کے انھیں کی نگرانی میں کوئی ترجمہ یا تفسیر حاصل کریں اور اس کو روزانہ پڑھنے کا معمول بنائیں۔

فہم کا حصول بلاشبہہ الفاظ کی قراءت کا ہی نتیجہ ہوتا ہے اور اگر فہم حاصل نہ ہو رہا ہو تو محض الفاظ کی قراءت کیوں کر مطلوب ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے فرمایا تھا: وہ آدمی اس (قرآن) کو سمجھ نہیں سکتا جو تین دن سے کم وقت میں اس کی قراءت کر لیتا ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر)۔ (باقی آئندہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایات کے اسباب اور بعض شبہات کا اِزالہ

مولانا طلحہ بلال احمد منیار

ترجمانی: مولانا محمد یاسر عبداللہ

تمہید:.....ذخیرہ حدیث پر مستشرقین اوران کے علمی پیروؤں کی جانب سے مختلف جہتوں سے قدغن لگائے جاتے ہیں اور اسے مشکوک قرار دینے کی سعیِ نامراد کی جاتی ہے، یوں بزعمِ خویش دینِ حق کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی تدبیریں بروئے کار لائی جاتی ہیں۔اس سلسلے میں دو شخصیات ناقدین کے تیروں کا خاص نشانہ رہتی ہیں: حضرات صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور طبقہ تابعین میں امام محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اول الذکر دست یاب ذخیرے کے مطابق سب سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں اور ثانی الذکر قرونِ اولیٰ کے دوران تدوینِ حدیث کے کارنامے میں بنیادی کردار کے حامل ہیں۔

ناقدین کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے ساتویں برس اسلام میں داخلے کے بعد دیگر قدیم الاسلام صحابہ کرام کی بنسبت دربارِ نبوت میں حاضری کا زمانہ کم پایا ہے، پھر مرویات کی تعداد کے اعتبار سے وہ مکثرین صحابہ میں بھی پہلے درجے پر کیوں کر فائز ہوگئے؟!.....اس نوع کے بے سروپا اور پھسپھسے دلائل کی بنیاد پر ان کی شخصیت وکردار اور احادیث ومرویات کے متعلق وضع کے اتہام سمیت گوناگوں شبہات پھیلائے جاتے ہیں۔ یہ نادان طبقہ زمانہ صحبت کے کم ہونے کے باوجود الفاظِ نبوت کے تئیں ان کی محنت و جفاکشی سے نابلد اور دعائے نبوی کی بدولت ان کی قوتِ حافظہ کی وسعت سے ناواقف ہے۔اس اجمال کی تفصیل کے لیے کتبِ سیر وتراجم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کی مراجعت کی جاسکتی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر دو شہادتیں ملاحظہ ہوں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازے پر دعائے رحمت کرتے ہوئے فرمایا: وہ مسلمانوں کے لیے احادیثِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت فرماتے تھے۔جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں روایتِ حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے۔
‘‘(**تدریب الراوی للسیوطی، بتحقیق الشیخ محمد عوامة، النوع التاسع والثلاثون: معرفة الصحابة رضی اللّٰہ عنہم، ۵ /۱۸۹، دار المنہاج، جدة، الطبعة الاولی،۱۴۳۷ ہ /۲۰۱۶م**)

سرزمینِ شام کے بلند پایہ محدث ومحقق عالم شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ، علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب ’’تدریب الراوی‘‘ کی تعلیقات میں رقم طراز ہیں: ’’ہر صحابی کی روایات کی تعداد کے متعلق علماء جو اعداد وشمار ذکر کرتے ہیں، وہ ابن حزم رحمہ اللہ کے جزء **اسماء الصحابة الرواة وما لکل واحد من العدد** کے اعتماد پر ہیں، یہ جزء پہلے پہل (ابنِ حزم رحمہ اللہ کی کتاب) ’’جوامع السیر‘‘ کے ساتھ شائع ہوا تھا، پھر ایک ضخیم جلد میں مستقل طور پر طبع ہوا ہے۔ اسی طرح کے اعداد وشمار ابن جوزیؒ نے **تلقیح فھوم اھل الاثر** میں درج کیے ہیں۔

اس موقع پر اس نکتے سے آگاہی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کی تعداد کے متعلق اس بڑے عدد (۵۳۷۴) میں ان سے مروی تمام مکرر روایات، اور (سندا) صحیح وضعیف احادیث سب ہی داخل ہیں، اور (ان تمام روایات کی) چھان پھٹک کے بعد اس عدد کا ایک چوتھائی باقی رہ جاتا ہے۔

مزید برآں ان بقیہ احادیث پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہوگی کہ کن روایات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متفرد ہیں؟ تب (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی منفرد روایات کی) تعداد بہت کم بلکہ انتہائی نادر درجہ میں باقی رہے گی، اور ان کے تعلق سے کینہ وروں کے اشکالات ہواوں میں اڑ جائیں گے۔ نیز دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث کی تعداد کے متعلق بھی یہی کہا جائے گا کہ ان میں مکررات، اور صحیح وضعیف تمام روایات شامل ہیں، اور ایسی روایات بھی داخل ہیں جن میں وہ صحابی متفرد نہیں۔ (ایضا، ۱۸۸۸ /۱۸۸۹)

بہر کیف!...... یہ ایک وسیع موضوع ہے، جس کی مختلف جہتوں پر اہلِ علم کی مستقل کاوشیں ہیں، خاص طور پر عالمِ عربی کے نامور عالم شیخ مصطفیٰ حسنی سباعی رحمہ اللہ کی کتاب **السنة ومکانتھا فی التشریع الاسلامی** میں اس حوالہ سے خاصی تفصیل کے ساتھ مفید مواد یکجا ہوگیا ہے۔ شیخ کی کتاب کا اردو ترجمہ اسلام میں ’’سنت وحدیث کا مقام‘‘ کے نام سے مولانا ڈاکٹر احمد حسن ٹونکی رحمہ اللہ نے کیا تھا، اور ہماری جامعہ کے شعبہ مکتبہ بینات

نے کچھ عرصہ قبل اس کا دوسرا دیدہ زیب ایڈیشن دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اہلِ علم اور طلبہ علومِ حدیث کو اس کتاب سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ بعض دیگر اہلِ علم نے جوابِ آں غزل کے طور پر مستشرقین کے جدید سائنسی طریقہ تحقیق (Scientific Research) کے اصول اپناتے ہوئے ان کے مزعومہ دلائل کے تار و پود بکھیرے ہیں۔

پیشِ نگاہ مضمون میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت و خدمات کی ایک اہم جہت مرویاتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق قدیم و جدید مواد کی روشنی میں تجزیہ و تلخیص پیش کی گئی ہے، اس مضمون میں یہ نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ بلاشبہ دست یاب ذخیرے کے مطابق کثرتِ روایات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا امتیاز ہے، لیکن ان میں سے بیشتر روایات میں دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ان کے شریک ہیں، متعدد اہلِ علم نے اپنی تحقیقات کے نتائج میں یہ واضح کیا ہے کہ محض حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفرد روایات کی تعداد نہایت کم ہے، لہٰذا کثرتِ مرویات کی بنا پر ان پر وضع کا الزام دھرنا ذخیرہ حدیث کو مشکوک ٹھہرانے کی مذموم کوشش ہے۔ اس ضمن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرتِ روایت کے مختلف اسباب کی نشان دہی بھی کی گئی ہے، جنہیں پیشِ نظر رکھنے سے زیرِ بحث مسئلہ بے غبار ہو جاتا ہے۔ بہرکیف حدیثی نقطہ نظر سے مضمون کی اہمیت کی بنا پر افادہ عام کی غرض سے اسے ریختہ کے قالب میں ڈھال کر ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ **(مترجم)**

مرویاتِ صحابہ کی شماریات کے مختلف انداز:

محدثین نے عموماً تمام راویوں اور خاص طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث و مرویات کی تعداد شمار کرنے کا اہتمام کیا ہے، اور ان اعداد و شمار کے حوالے سے ان کے متعدد انداز ہیں:

۱:......بعض محدثین نے اپنی مرویات و محفوظات کو خود ہی ذکر کیا ہے، مثلاً: امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم جیسے ائمہ کبار سے لاکھوں احادیث یاد کرنے کے اقوال ملتے ہیں، اور پھر انہوں نے اس وسیع ذخیرہ میں سے چند ہزار احادیث کا انتخاب کر کے انہیں اپنی مشہور کتبِ حدیث میں درج کیا ہے۔

۲:......بعض حضرات، مشہور محدثین یا راویوں کی کسی متعین شیخ یا متعین سند سے مروی روایات کو ذکر کرتے ہیں، جنہیں وہ نسخہ کا نام دیتے ہیں، کتبِ تاریخ و رجال میں اس نوعیت کے اشارات ملتے ہیں، یا کسی متعین کتاب یا کتابوں (مثلاً: کتبِ ستہ وغیرہ) میں راویوں کی مرویات ذکر کرتے ہیں، جیسے: ابن حوط اللہ اندی رحمہ اللہ سے منسوب کتاب **زهرة المتعلمين في ذكر اسماء مشاهير المحدثين** میں بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداود

رحمہم اللہ کے مشائخ کی مرویات شمار کی گئی ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ مفقود ہے، لیکن امام مغلطائیؒ نے **اِکمال تهذیب الکمال** میں اس سے کافی اعداد وشمار نقل کیے ہیں۔

۳:......بعض محدثین نے خاص طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات شمار کرنے کا اہتمام کیا ہے، جیسے: امام ابوبکر احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم برقی مصری رحمۃ اللہ علیہ (۲۷۰ھ) تاریخ صحابہ سے متعلق کتاب میں، اور محدث بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جز میں یہ کوشش کی ہے۔

مسندِ بقی بن مخلد اندلسی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کی تعداد:

کتبِ علومِ حدیث میں مشہور ہے کہ صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں، اور ان کی احادیث کی تعداد (۵۳۷۴) ہے۔ بعض علماء نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی یہ تعداد امام ابن جوزیؒ کی کتاب **تلقیح فهوم اهلِ الاثر فی عیونِ التاریخِ والسِیر** (ص:۲۶۳-۲۸۰) کی جانب منسوب کی ہے، اور انہوں نے اس تعداد کے متعلق کتبِ حدیث میں سب سے بڑی مسند (مسند بقی بن مخلد الاندلسی، (ت:۲۷۶ھ)، جو تاحال مفقود ہے) میں مذکور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات پر اعتماد کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن جوزیؒ نے یہ تعداد ازخود شمار نہیں کی، بلکہ انہوں نے مکثرین (بکثرت روایات نقل کرنے والے) صحابہ کی روایات کے تذکرہ میں امام بقی بن مخلد اندلسیؒ کے **جزء عدد ما لکُلِ واحدٍ منِ الصحابة منِ الحدیث** پر اعتماد کیا ہے، جسے بعد ازاں امام ابنِ حزم اندلسیؒ (ت:۴۵٦ھ) نے مرتب کیا اور اس کا نام **اسماء الصحابةِ الرُواة وما لکلِ واحدٍ منَ العدد** رکھا ہے۔

امام ابنِ حزمؒ نے یہ جزء مرویاتِ صحابہ کی کثرت وقلت کی بنیاد پر ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے مرتب کیا ہے، چنانچہ مکثرین سے ابتدا کی اور اصحابِ افراد (جن سے ایک ہی روایت مروی ہے) پر اختتام کیا ہے۔ ابنِ حزمؒ کتاب کے مقدمہ میں اپنی ترتیب ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ذکر من روی عنِ النبیِ صلی اللّٰه علیه وسلم من الصحابة حدیثاً فما فوقه، ممن نُقِل اِلینا الحدیثُ عنهم، علی مراتبهم فی ذٰلک: اصحابُ الالوف منهم، ثم اصحابُ الَالْفینِ، ثم اصحابُ الالَف فما دون ذلک، ثم اصحابُ المِئینَ وشی ءٍ، ثم اصحاب المِئتینِ وشی ءٍ، ثم اصحاب المِئةِ وشیءٍ، ثم اصحاب العشراتِ وشیءٍ، ثم اصحاب

العِشرین، ثم اصحاب التسع عشر، ثم اصحاب الثمانیة عشرَ، ثم اصحابُ السبعة عشر، ثم کذلک نقص واحد واحد، اِلٰی اصحابِ الاَفرادِ۔

یہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یا ایک سے زائد روایات نقل کی ہیں، جو ان سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اس حوالے سے (درج ذیل ترتیب کے مطابق) ان کے مراتب کا لحاظ کیا گیا ہے:..... پہلے کئی ہزار روایات نقل کرنے والوں کا ذکر ہے، پھر دو ہزار کے لگ بھگ احادیث کے راوی صحابہ کا، پھر ایک ہزار یا اس سے کم مرویات والوں کا، پھر سینکڑوں روایات کے ناقلین کا، پھر دو سو کے لگ بھگ تعداد والوں کا، پھر جن کی احادیث کی تعداد دہائیوں میں ہے، پھر بیس کے آس پاس کی تعداد والوں کا، پھر انیس عدد کے راویوں کا، پھر اٹھارہ، پھر سترہ، یوں ایک ایک عدد کم کرتے کرتے آخر میں محض ایک حدیث روایت کرنے والوں کا تذکرہ ہے۔

امام ابنِ حزمؒ کی کتاب کے مختلف طبعات:

ابنِ حزمؒ کی مذکورہ کتاب **اسماء الصحابة الرواة** کئی بار شائع ہوئی ہے:

ان کی کتاب **جوامعُ السیرة** و دیگر رسائل کے مجموعہ میں شیخ احسان عباس کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

ڈاکٹر اکرم ضیاعمریؒ نے **بقیُ بنُ مَخلد القرطبی و مقدمةُ مُسندِہ** کے نام سے امام بقی رحمہ اللہ کی جانب نسبت کے ساتھ شائع کی ہے، جب کہ اس نسخہ میں موجود مواد ابن حزم رحمہ اللہ کا مرتب کردہ ہے۔

سید حسن کسروی کی تحقیق کے ساتھ **دارُالکتبِ العلمیة** بیروت نے بھی یہ کتاب شائع کی ہے۔

مسعد عبدالحمید سعدنی کی تحقیق کے ساتھ **مکتبةُ القرآن** مصر نے بھی شائع کی ہے۔

کتاب کے تونسی نسخہ (جو مولف ابنِ حزمؒ کی جانب ان کے شاگرد حمیدی کی سند سے منسوب نسخے سے نقل کیا گیا ہے، اس نسخے) کے متعلق ڈاکٹر عبدالمجید ترکی نے ایک مقالہ شائع کیا ہے، اس مقالے میں کافی اضافات اور مفید تصحیحات ہیں، جن سے سابقہ طبعات خالی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد (۵۳۷۴) کے متعلق چند تنبیہات:

تنبیہِ اول:..... یہ تعداد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تمام احادیث کی ہے، اس میں ان سے مروی صحیح احادیث، ضعیف روایات اور وہ مکرر روایات بھی داخل ہیں، جو اسی متن اور سند کے ساتھ یا کسی اور سند کے ساتھ ان سے مروی ہیں۔

تنبیہ دوم:...... یہ اعداد وشمار امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ نے اپنے جزء عدد ما لکلِ واحد من الصحابۃِ من الحدیث میں ذکر کیے ہیں، جو ہماری جستجو کے مطابق ان کی مسند میں درج مرویات کی بنیاد پر ہیں۔ ممکن ہے کہ یہی جزء مسند بقی کا مقدمہ ہو، جیسا کہ ڈاکٹر اکرم ضیا عمریؒ کی رائے ہے۔

محدثین کی عادت ہے کہ وہ ایک حدیث کی متعدد سندوں کو بھی مستقل حدیث کے طور پر شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح آثارِ صحابہ وتابعین اور ان کے فتاویٰ کو بھی احادیث کے ضمن میں شمار کرتے ہیں۔ یوں یہ اعداد وشمار، مرفوع، موقوف اور مقطوع سبھی روایات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا بیان ہے: اَحفَظُ مِئَۃَ اَلفِ حدِیثٍ صَحِیح، ومِئَتَیْ اَلفِ حدِیثٍ غیرِ صحِیحٍ۔ یعنی مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔

حافظ ابنِ صلاحؒ نے اس بیان کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

هٰذِهِ العِبارۃُ قد یَنْدَرِجُ تَحتَهَا عِندَهُمْ آثارُ الصَّحابۃِ وَالتَّابِعِینَ، ورُبَما عُدَّ الحَدِیثُ الواحِدُ الْمَروِیُّ بِاِسنادَینِ حدِیثین. (معرفۃ انواع علم الحدیث، النوع الاول، فوائد مهمۃ، ص: ٨٧، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ١٤٣٥ھ)

یعنی اس عبارت کے تحت محدثین کے نزدیک آثارِ صحابہ وتابعین بھی درج ہیں، اور بسا اوقات دو سندوں سے مروی ایک ہی حدیث کو تعداد میں دو شمار کیا جاتا ہے۔

علامہ زرکشیؒ النکت علی ابن الصلاح میں رقم طراز ہیں:

الاقدمونَ یطلقونَ العددَ منَ الاحادیث علی الحدیثِ الواحدِ المرویِّ بعدۃِ اسانیدَ، وعلٰی هٰذا یَسهَلُ الخَطبُ ، فرُبَّ حدیثٍ له مِئَۃُ طریقٍ او اکثرُ ۔

یعنی متقدمین (محدثین) کئی سندوں سے مروی ایک حدیث کو تعداد کے اعتبار سے کئی احادیث شمار کرتے ہیں، یوں (کثیر تعداد کا) معاملہ آسان ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ بسا اوقات ایک حدیث کی سو یا زیادہ سندیں بھی ہوتی ہیں۔ (النکت علی مقدم ابن الصلاح للزرکشی، النوع الاول، تنبیہ: ١/١٨١، اضواء السلف، الریاض، ١٤١٩ھ)

الوسیط فی علوم ومصطلح الحدیث) ص: (میں لکھا ہے:

قد یقول قائل: اِنَّ ما ذکرتَه عن الالوفِ المولفۃِ التی کان یحفظُها الائمۃُ الکبارُ وما نُقِل عنهم فی هذا لایصدِّقُهُ المُدَوَّنُ فی کتبِ الحدیثِ علی کثرتِها، فاِنَّ ما یوجد فیها

منَ الْاَحاديثِ المرفوعةِ لا يبلغ عُشر هٰذا المقدارِ.

والجواب: انه ليس المرادُ بِهذهِ الالوفِ اَنَّها كلَّها احاديثُ متغايرةٌ، كما هو الظاهر، وانما يدخلُ فی هذهِ الطرقُ المتعدَّدةُ للحديثِ الواحدِ، فقد يُروی الحديثُ الواحد بعشرةِ اسانيدَ، وما هِی فی الحقيقةِ والواقعِ الا طرق لحديثٍ واحد ، فيَتَخَيَّرُ اَیُّ اِمامٍ منها اَصَحَّها واوثقَها فی نظرِهٖ ، ويَدَعُ ما عَدا ذٰلک ، وقد يكون فيما ذكره ما ليس صحيحا عند غيرِه .وقد يكون فيما يتركه ما هو صحيح فی الواقعِ .وايضاً يدخلُ فی هٰذِهِ الالوفِ آثار الصحابةِ والتابعين وغيرِهم ، وهذِه الآثارُ تُعْتَبَرُ من الاحاديثِ عند كثيرٍ من المحدثين ، وما اَكْثَرُ ما رُوِیَ منَ الآثارِ! فكُنْ علی ذُكْرٍ مِن ذٰلک حتی لايلتبسُ عليک الامرُ، وحتی تدفعَ تشكيكاتِ المشكِّكين فی السننِ والاحاديثِ.

اشکال: کوئی معترض کہہ سکتا ہے کہ ائمہ کبار کے محفوظ کردہ ذخیرہ حدیث کے متعلق جو ہزاروں احادیث کی تعداد آپ ذکر کرتے ہیں، کتبِ حدیث کی کثرت کے باوجود ان میں مدون ذخیرہ سے تو ان دعووں کی تائید نہیں ہوتی، کیوں کہ ان کتابوں میں موجود مرفوع احادیث کی تعداد تو اس مقدار کے دسویں حصے تک بھی نہیں پہنچتی؟

جواب: ان ہزاروں احادیث سے یہ مراد نہیں کہ ان تمام احادیث) کے متون (میں فرق ہے اور سب ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، بلکہ ان میں ایک حدیث کی متعدد سندیں بھی داخل ہیں؛ کیوں کہ کبھی ایک حدیث دس سندوں سے مروی ہوتی ہے۔ درحقیقت یہ ایک حدیث کی سندیں ہوتی ہیں، اور ہر امامِ حدیث اپنی تحقیق کے مطابق ان میں سے زیادہ صحیح اور معتمد سند منتخب کرتے ہیں، اور دیگر سندوں کو ترک کر دیتے ہیں، کبھی ان کی ذکر کردہ سند دیگر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی، اور درحقیقت ان کی ترک کی ہوئی سندوں میں سے کوئی سند، صحیح ہوتی ہے۔

نیز ان ہزاروں روایات میں آثارِ صحابہ وتابعین وغیرہ بھی داخل ہوتے ہیں، اور یہ آثار بہت سے محدثین کے نزدیک احادیث میں شمار ہوتے ہیں، ایسے روایت کردہ آثار بھی بکثرت ہیں۔ یہ اہم نکتہ یاد رکھیے، تاکہ) کثرتِ تعداد کا (معاملہ آپ کے لیے الجھن کا باعث نہ بنے، اور آپ سنن واحادیث کے متعلق شکوک وشبہات پھیلانے والوں کے شبہات کے جوابات دے سکیں۔

شیخ احمد شاکرؒ الباعث الحثیث میں رقم طراز ہیں:

ومِن المهمِ معرفة العددِ الحقيقيِ للاحاديثِ فی" مسندِ احمد" بِحذفِ المكرر واعتبارِ كلِ الطرقِ للحديثِ حديثا واحدا ، ولم اتمكن مِن ذلک لا فی مسند ابی هريرة، فظهر لی ان عدد احاديثِه فی مسند احمد بعد حذف المكرر منها هو ١٥٧٩ حديثا فقط.

فاين هذا من العددِ الضخمِ الذی ذكره ابن الجوزی وهو ٥٣٧٤ ؟!وهل فات احمد هذا كله؟!ما اظن ذلک.

وانما الذی ارجِّحه ان ابن الجوزی عد ما رواه بقیُ بنُ مخلد لابی هريرة مطلقا وادخل فيه المكرر، فتعدد الحديثِ الواحدِ مِراراً بتعددِ طُرقِه، وقد يكون بقی ايضا يروی الحديث الواحد مقطعا اجزاءً باعتبارِ الابوابِ والمعانی كما يفعل البُخَاریُّ ، وَيُئوِيّدُهٗ ان ابن حزم يصِفه بانه رتب احاديث كلِ صحابی علی ابوابِ الفِقه .

وايضا فن فی "مسندِ احمد" احاديث كثير يذكرها استِطراداً فی غيرِ مسندِ الصحابیِ الذی رواها، وبعضها يكون مرويا عن اثنينِ او اكثر من الصحابةِ، فتارةً يذكر الحديث فی مسندِ كلِ واحد مِنهما، وتارةً يذكرُه فی مسندِ احدِهما دون الآخرِ. وقد وجدت فيه احاديث لبعضِ الصحابة ذكرها اثنا مسند لِغيرِ راوِيها ولم يذكرها فی مسندِ راويها اصلا.

ولكن هذا كلُّه لا ينتجُ منه هذا الفرقُ الكبيرُ بين العددينِ فی مثلِ مسندِ ابی هريرة. ولعلنا نوفق لتحقيقِ عددِ الاحاديثِ التی رواها عن كلِ صحابی، كما صنعنا فی رواىِ ابی هريرة ان شاء اللّٰه. وقد جمعتُ عددَ الاحاديثِ التی نسبها ابن الجوزیِ للصحابةِ فی مسند بقی، فكانت: ٣١٠٦٤ حديثا، وهذا يقِلُّ عن مسندِ احمد او يُقاربُه.

ایک اہم نکتہ،تکرار کو حذف کر کے مسندِ احمد کی احادیث کی حقیقی تعداد کو جاننا اور ایک حدیث کی تمام سندوں کو ایک شمار کرنا ہے۔ میں نے صرف مسندِ ابی ہریرہ میں یہ کام کیا تو معلوم ہوا کہ تکرار کو حذف کرنے کے بعد مسندِ احمد میں (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی) احادیث کی تعداد صرف (۱۵۷۹) ہے۔ کہاں یہ تعداد اور کہاں ابنِ جوزیؒ کی ذکر کردہ تعداد (۵۳۷۴)؟! کیا باقی تمام روایات امام احمد رحمہ اللہ سے رہ گئیں؟! میرا یہ گمان نہیں۔

میرے نزدیک زیادہ راجح یہ ہے کہ ابنِ جوزیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بقی بن مخلدؒ کی روایت کی ہوئی تمام روایات شمار کی ہیں اوران میں مکرر روایات کو بھی داخل کر دیا ہے۔اور یوں متعدد سندوں کی وجہ سے ایک حدیث بھی کئی بار شمار ہوگئی۔ نیز ممکن ہے کہ امام بقیؒ بھی امام بخاریؒ کی طرح ایک حدیث کی تقطیع کرتے ہوئے اس کے مختلف حصوں کو ابواب اور معانی کے اعتبار سے کئی بار روایت کرتے ہوں، مذکورہ نکتے کی تائید ابنِ حزمؒ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ بقی بن مخلد نے ہر صحابی کی احادیث کو ابوابِ فقہ کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔

مزید براں مسندِ احمد میں بہت سی ایسی احادیث ہیں، جنہیں امام احمدؒ نے استطرادا راوی صحابی (کی مسند) کے علاوہ کسی اور صحابی کی مسند میں ذکر کیا ہے۔ نیز بعض احادیث، دو یا دو سے زیادہ صحابہ سے بھی مروی ہوتی ہیں، اور امام احمدؒ کبھی ایسی حدیث کو ان صحابہ میں سے ہر ایک کی مسند میں ذکر کرتے ہیں، اور کبھی کسی ایک کی مسند میں ہی ذکر کر دیتے ہیں، دوسرے راوی کی مسند میں ذکر نہیں کرتے۔ مجھے بعض صحابہ کی ایسی احادیث بھی ملی ہیں جو انہوں نے راوی صحابی کی مسند میں ذکر نہیں کیں، بلکہ کسی اور صحابی کی مسند میں درج کی ہیں، لیکن اس پوری تفصیل کے نتیجے میں بھی مسند ابی ہریرہ کے متعلق مذکورہ دونوں تعدادوں جیسے بڑے فرق کی گتھی نہیں سلجھتی۔ اللہ نے چاہا تو امید ہے کہ ہمیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کی طرح ہر صحابی سے مروی احادیث کو شمار کرنے کی توفیق ملے گی۔ میں نے ان احادیث کی تعداد کو جمع کیا، جنہیں ابنِ جوزیؒ نے مسندِ بقی میں مذکور احادیث کے اعتبار سے صحابہ کی جانب منسوب کیا ہے، نتیجتا احادیث کی تعداد (۳۱۰۶۴) ہوئی، یہ تعداد مسندِ احمد میں مذکور روایات کی تعداد سے کم یا اس کے قریب قریب ہے۔

تنبیہ سوم:.....سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنہ سات ہجری میں غزوہ خیبر سے قبل اسلام قبول کیا تھا، اور پھر ربیع الاول سنہ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے درِاقدس سے چمٹے رہے، یوں انہوں نے حیاتِ نبوی کے لگ بھگ چار برس اور چند راتیں پائی ہیں۔

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی اپنی کتاب ''ابو هريرة والحقيقةُ الكاملةُ (ص:۴۳) میں رقم طراز ہیں:

لو حَسِبنا عدد ايام صحبةِ ابى هريرة لِرسولِ اللّٰهِ وهى تبلغ اكثرَ من(١٤٦٠) يوماً ، وقسمنا هذه الاحاديث (٥٣٧٤ حديث)على هذِه الايام .... وجدنا انه يَروى كل يوم ما يقارِبُ ثلاثة احاديث ونِصفا ، وفى كلِ مئةِ يوم(٣٦٧) حديثاً ، او كان يحفظ مِئةَ حديثٍ فى كلِ سبعةٍ وعشرين يومًا .زِدْ علٰى ذٰلك انه اذا حذَفنا المكرر مِن احاديثِ

ابی هریرة نجد ان العدد الاصلی لا یصِل الٰی(۱۳۰۰)حدیث۔

اگر ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرے ایام شمار کریں تو ان کی تعداد(۱۴۶۰) سے زیادہ بنتی ہے۔اب ہم ان سے مروی احادیث کی تعداد(۵۳۷۴) کو ان ایام میں تقسیم کریں تو پتہ چلتا انہوں نے ہر روز تقریبا ساڑھے تین حدیثیں روایت کی ہیں، اور ہر سو دنوں میں (۳۶۷)احادیث روایت کیں، یا بالفاظِ دیگر وہ ہر ستائیس دنوں میں سو احادیث یاد کرتے تھے۔مزید براں اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں سے مکرر روایات کو حذف کریں تو اصل تعداد(۱۳۰۰) تک بھی نہیں پہنچے گی۔

تنبیہ چہارم.....حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اکثر احادیث کے الفاظ تھوڑے ہیں، اگر (ان کی) حدیثیں (الفاظ کی تعداد کے اعتبار سے) تھوڑی لمبی بھی ہیں تو مختصر جملوں پر مشتمل ہیں۔آدھے صفحے پر مشتمل یا اس سے زیادہ لمبے متون زیادہ نہیں، اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی سینکڑوں مختصر متونِ حدیث جمع کریں تو سب متون تھوڑے اوراق میں سمٹ جائیں گے، اور چند مہینوں میں ان کو یاد کرنا بھی دشوار نہیں۔

"الضَّوءُ اللامعُ المبینُ عن مناهجِ المحدِثین" (ص:۱۳۳) میں مذکور ہے:

لو جمعنا کلَّ مروياتِ ابی هريرةَ فی کتاب واحدٍ فلن تزيدَ عن جزءٍ صغيرٍ، ذٰلک ان الکثير مِن الخمسِ آلاف والثلاثِ مِئةِ والاربعِ والسبعين، عدد ما رواه لايجاوِز السطرَ والسطرين.

اگر ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات ایک کتاب میں یکجا کرنا چاہیں تو ایک چھوٹے جز سے زیادہ نہ ہوں گی، اس لیے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث میں سے اکثر روایات ایک دو سطروں سے متجاوز نہیں۔

تنبیہ پنجم.....حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح وثابت احادیث میں سے اکثر کی روایت میں وہ اکیلے نہیں، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو روایت کرنے میں ان کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک ہیں۔

مروياتِ ابو ہریرہ کے متعلق معاصر اہلِ علم کے اعداد وشمار:

بعض معاصر اہلِ علم نے بھی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے دست یاب کتبِ حدیث کے پیشِ نظر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کو شمار کیا ہے۔حاصل یہ ہے کہ جن احادیث میں حضرت ابوہریرہ دیگر صحابہ سے منفرد ہیں، ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ اندازے کے مطابق (۲۰۰) سے متجاوز نہیں۔

ذیل میں بعض ایسے مقالات وتحقیقات کی جانب اشارہ کیا جارہا ہے، جن میں اہلِ علم نے مرویاتِ ابو ہریرہ کو شمار کیا ہے:

ا:......ڈاکٹر محمد ضیاالرحمٰن اعظمی کی تحقیق:

ڈاکٹر محمد ضیاالرحمٰن اعظمی نے جامعہ ام القری) مکہ مکرمہ (میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے" ابو هريرة فی ضوءِ مروياتِه بشواهدِها وحال انفرادِها" کے عنوان پر مقالہ لکھا تھا۔ موصوف اپنے مقالے کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

"ایک پہلو یہ ہے کہ طعنہ زنوں کے طعنوں اور ہولنا کیوں کا ایک اہم محور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بکثرت احادیث بیان کرنے کا معاملہ ہے۔ چوں کہ یہ کثرتِ روایت حیرت کا باعث بنتی ہے، اس لیے وضاحت کے لیے اس معاملے کے حدود کی تعیین اور مختلف پہلوؤں کی توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً: کیا یہ کثرتِ احادیث، غیر فطری ہے یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے گردو پیش کے حالات کا معقول اور فطری نتیجہ ہے؟

اگر یہ حقیقت واضح ہوگئی اور کثرتِ متون کا سبب بننے والی مکرر سندوں کو حذف کر کے انہیں شمار کرنا بھی ممکن ہو گیا تو اس وقت مرویاتِ ابو ہریرہ کے متعلق بحث وتحقیق کے میدان میں ایک اور قدم اٹھایا جا سکے گا: کیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث کی اتنی کثیر تعداد کی روایت میں اکیلے ہیں یا ان کی علاوہ دیگر صحابہ نے بھی انہیں روایت کیا ہے؟ یا پھر ان میں سے بعض روایات میں وہ منفرد ہیں اور بعض میں منفرد نہیں؟ ان سوالات کا تقاضا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کے شواہد تلاش کر کے یکجا کیے جائیں، تاکہ واضح ہو کہ کن احادیث میں وہ منفرد ہیں؟ اور کن روایات کو ان کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی روایات کیا ہے؟

تب ایک اور حقیقت بھی واشگاف ہو سکے گی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اکثر احادیث کے شواہد موجود ہیں اور ان کی بنسبت دوسری قسم کی ان احادیث کی تعداد کم ہے جن احادیث کے شواہد سے ہم واقف نہیں۔

چوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کسی کتاب میں یکجا نہیں، اور کسی ایک کتاب میں مرتب صورت میں موجود نہیں، اس لیے انہیں ان کے مظان سے یکجا کرنا ضروری ہے۔ اور ان کے اہم مظان مسندِ احمد، پھر کتبِ ستہ ہیں۔ اس لیے میں نے ان مصادر سے ان کی مرویات یکجا کیں، اور پھر مراجعت میں سہولت کے لیے انہیں کتب وابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پھر میں نے مرویاتِ ابو ہریرہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا:

پہلی قسم: وہ مرویات جن کے شواہد دیگر صحابہ سے بھی ملے ہیں، اور وہ ان روایات میں حضرت ابو ہریرہ کے موافق

ہیں۔(ڈاکٹرمحمد ضیاالرحمٰن اعظمی نے اس قسم میں حضرت ابوہریرہ کی (۹۳۹)احادیث ذکر کی ہیں،اور مقالہ کے آخر میں مزید دس احادیث ذکر کی ہیں،اور حواشی میں ان کے شواہد درج کیے ہیں،مقالہ کا یہ حصہ۴۴۴صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے)۔

دوسری قسم: وہ مرویات جن کے شواہد مجھے نہیں ملے، اور میں نے ان کی سندوں کی تحقیق کی ہے، تاکہ حضرت ابوہریرہ کی انفرادی روایات میں صحیح یا حسن روایات کی مقدار معلوم ہو سکے۔ واضح رہے کہ ممکن ہے ہمیں بعد میں دیگر مصادر میں ان میں سے بعض روایات کے شواہد مل جائیں۔(ڈاکٹر اعظمی نے اس قسم میں (٦٣٦)احادیث درج کی ہیں، حاشیہ میں ان کے مصادر درج کیے ہیں، اور اس قسم میں نمبر۱۳۱پر (ص:۵۳۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: كلِمتانِ خفِيفتان ...الخ) جو صحیح بخاری کی آخری حدیث ہے) ذکر کی ہے)۔

ڈاکٹر اعظمی رقم طراز ہیں:

دوسری قسم بھی تین انواع پر مشتمل ہے:

نوعِ اول: صحیح احادیث، ان کی تعداد (۲۱۴) ہے۔

نوعِ دوم: حسن احادیث، ان کی تعداد (۵۳) ہے۔

نوعِ سوم: ضعیف احادیث، ان کی تعداد (۱۰۲) ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت، خاندان اور قبیلے سے متعلق روایات کو حذف کرنے کے بعد دونوں قسموں کا کل مجموعہ (۱۳۳٦) ہے۔

ڈاکٹر اعظمی کی تحقیق کا نتیجہ:

اس تحقیق سے یہ واضح ہوگیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی کثرت باعثِ حیرت نہیں؛ کیوں کہ اگر ان احادیث کو ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرے ایام میں تقسیم کریں تو ہر دن میں حاصل شدہ کا تناسب ڈیڑھ حدیث ہے، جن میں صحیح وضعیف سب احادیث داخل ہیں۔ یہ تناسب بہت معقول ہے۔ باقی رہی وہ احادیث جن میں حضرت ابوہریرہ منفرد ہیں تو ان کی تعداد بہت کم ہے؛ کیوں کہ ان میں صحیح احادیث کی تعداد (۲۲۰) سے متجاوز نہیں۔(مقدمہ،ص:ح)

۲:......ڈاکٹر محمد مطری کا مقالہ، ڈاکٹر اعظمی کے کام کا تتمہ:

ڈاکٹر محمد بن علی بن جمیل مطری نے ڈاکٹر اعظمی کے کام کا تتمہ کیا ہے، انہوں نے ان احادیث کی تحقیق کی ہے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جنہیں شیخ محمد ضیا الرحمٰن اعظمی نے اپنے مقالہ کے دوسرے حصہ میں ذکر کیا ہے۔ صحت وضعف کے اعتبار سے ان روایات کی تحقیق کی، اوران کے شواہد تلاش کرنے کی کوشش کی۔ شیخ مطری رقم طراز ہیں:

شیخ محقق محدث اعظمی نے گزشتہ صدی ہجری کے آخر میں ۱۳۹۳ھ میں ایک مفید مقالہ لکھا ہے، جب کہ کمپیوٹر کی مدد سے علمی تحقیق کی آسانیاں نہ تھیں، اس بنا پر بہت سی احادیث کے متعلق انہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان میں متفرد تھے، جب کہ آج کا محقق یہ جان کاری حاصل کر لیتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان احادیث میں متفرد نہ تھے۔ میں نے شیخ اعظمی کے مقالہ میں مذکور تفرداتِ ابو ہریرہ کا جائزہ لیا تو ان میں سے بہت سی روایات کے شواہد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مل گئے۔

حضرت ابو ہریرہ کی احادیث کے شواہد کی جان کاری کے لیے میں نے زیادہ تر مسندِ امام احمد پر) شیخ شعیب (ارناؤوط اوران کے معاون محققین کی تحقیق سے استفادہ کیا ہے؛ کیوں کہ یہ حضرات امام ترمذی رحمہ اللہ کی سنن کے طرز پر شواہد ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وفِی البابِ حدیثُ فلان وفلانٍ (اس موضوع سے متعلق فلاں فلاں دیگر صحابہ سے بھی احادیث ملتی ہیں)۔ پھر اس حدیث کے شواہد ذکر کر کے ان کی تخریج کرتے ہیں۔ ان محققین کی تحقیق کے جامع اور مفید ہونے کے باوجود مکتبہ شاملہ میں تلاش کر کے مجھے احادیثِ ابو ہریرہ کے بہت سے ایسے شواہد بھی ملے جو انہوں نے ذکر نہیں کیے۔ خاص طور پر المعجمُ الکبیرُ للطبرانی، مسندُ البزّار، کنز العمال، السِلسِلةُ الصحِیحة اور اِرواءُ الغَلیلِ للاَلبانی میں (ایسے بہت سے شواہد ملے)۔

بعد ازاں ویب سائٹ الدررُ السنیّہ (الموسوعةُ الحدیثیّة) میں دیگر شواہد کی تلاش وجستجو کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض احادیث کے ایسے شواہد بھی ہاتھ آئے جو پہلے مرحلے میں نہیں ملے تھے، سچ ہے: وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا! (تمہیں تو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے)۔

اس تحقیق وجستجو کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے تفردات میں صحیح وحسن احادیث کی تعداد محض (۱۱۰) ہے، واللہ اعلم۔

اس موقع پر وہ بات کہنا نہ بھولوں گا جو محدث اعظمی نے اپنے مقالہ (جس کے تتمہ کے طور پر میں نے یہ مقالہ ترتیب دیا ہے) میں کہی تھی: آج کے دن تک مجھ پر یہ نتائج واضح ہوئے ہیں، ممکن ہے کل میں خود یا کوئی اور محقق ان منفرد روایات کے شواہد سے واقف ہو جائے۔

ڈاکٹر مطری مزید لکھتے ہیں:

میں اس پہلو سے بھی آگاہ کرنا چاہوں گا کہ یہ اعداد وشمار، تقریبی ہیں، قطعی نہیں۔ اوراس کے دو اسباب ہیں:

سببِ اول: ہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض صحیح احادیث ان کے شواہد کے موجود ہونے کی بنا پر یہاں ذکر نہیں کیں، لیکن ممکن ہے کہ وہ شاہد ضعیف ہو؛ کیوں کہ شاہد کا صحیح ہونا شرط نہیں۔ مجھے اور مجھ سے قبل شیخ اعظمی کو جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کوئی صحیح حدیث ملی اور ہمیں اس کا کوئی شاہد بھی مل گیا، اگر چہ ضعیف سند سے ہی کیوں نہ ہو، تو ہم اس حدیث کو تفرداتِ ابو ہریرہ میں ذکر نہیں کرتے۔

سببِ دوم: حضرت ابو ہریرہ کی بعض صحیح احادیث کو ان کا شاہد موجود ہونے کی بنا پر ہم نے یہاں ذکر نہیں کیا، لیکن ممکن ہے کہ اس شاہد کا سیاق وسباق حدیثِ ابو ہریرہ کے سیاق وسباق سے مختلف ہو، یا اس روایت میں ایک دو جملوں کے علاوہ اکثر حصہ حدیثِ ابو ہریرہ کا شاہد ہو، ایسے موقع پر ایک جملے میں حضرت ابو ہریرہ کے تفرد ہونے کے باوجود ہم اس روایت کو تفردِ ابو ہریرہ میں ذکر نہیں کرتے؛ کیوں کہ حدیث کی اصل کا شاہد موجود ہے۔

بعد ازاں ڈاکٹر مطری نے وہ احادیث درج کی ہیں جن کے شواہد انہیں نہیں ملے، اور ان کی تعداد (۱۱۰) ہے، یوں یہ تعداد، تفرداتِ ابو ہریرہ کے حوالے سے ڈاکٹر اعظمی کے ذکر کردہ عدد (۲۲۰) سے کم ہو کر نصف تک جا پہنچی ہے۔ موصوف نے بھی نمبر (۲۹) پر حضرت ابو ہریرہ کی حدیث: كلمتانِ خفيفتانِ على اللسانِ ... ذکر کی ہے، لہٰذا (ان کی تحقیق کے مطابق بھی) اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے متفرد ہیں۔

۳:......ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی کی شماریات:

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی اپنی کتاب ابو هريرة والحقيقةُ الكاملةُ (ص: ۱۹۳) میں رقم طراز ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کے موضوعات پر گہرے غور وتدبر سے اہم حقائق سامنے آتے ہیں، جن سے آگاہی اور علمی وموضوعاتی دیانت کے ساتھ ان کی تحقیق ضروری ہے۔

پہلی حقیقت:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جانب یہ نسبت درست نہیں کہ انہوں نے اکیلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (۵۳۷۴) احادیث روایت کی ہیں، یہ احادیث محض حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ نہیں (بلکہ ان میں بہت سی احادیث کی روایت میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شریک ہیں) یہی نکتہ میری بحث وتحقیق کا موضوع تھا، جس کا اللہ تعالی نے مجھے موقع عنایت فرمایا۔ ابتدا میں، میں نے کمپیوٹر سے استفادہ کیا، نیز ان علمی مراکز سے استفادہ کیا جنہوں نے کتبِ حدیث کو داخل کیا اور ان کی تصنیف وترتیب کا عمل کیا ہے، مثلاً: مركزُ خدمةِ السنة النبويَّة (جامعہ ازہر) اور احادیث کا سافٹ ویئر مَوسوعةُ

صَـــــخـــــر۔ تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب (۵۳۷۴) احادیث میں سے (۴۰۷۴) بعینہٖ اسی عبارت اور معنی کے ساتھ مکرر ہیں۔ یہ پہلی حقیقت ہوئی۔

دوسری حقیقت:.....حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی (۵۳۷۴) احادیث میں سے تمام روایات کو انہوں نے اکیلے روایت نہیں کیا، بلکہ (ان کے علاوہ) مزید ایک، دو یا دو سے زیادہ صحابہ نے بھی روایت کیا ہے۔ چنانچہ مکرر روایات کو حذف کرنے کے بعد حقیقت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد (۱۳۰۰) باقی رہ جاتی ہے، نیز ان (۱۳۰۰) احادیث کی روایت میں بھی ان کے ساتھ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہیں، اور انہوں نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو احادیث روایت کی ہیں، مکررات کو حذف کرنے کے بعد ان کی تعداد (۱۲۹۲) ہے، بعد ازاں محض ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد دس سے بھی کم ہے۔

موصوف ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:

جب میں نے کمپیوٹر کے ماہرین کی ایک خصوصی ٹیم کے تعاون سے بذاتِ خود اس مسئلہ کی تحقیق کی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کے متعلق اہم حقائق سامنے آئے۔ جب ہم نے ان کی روایات کی کھود کرید کی تو واضح ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو سے زائد صحابہ وتابعین نے روایت کی ہے، اور وہ سب ثقہ وبا اعتماد ہیں۔ لیکن کمپیوٹر کے استعمال سے ہمیں بنیادی نکتہ یہ معلوم ہوا کہ جب ہم نے ان سے مروی احادیث کو حدیث کی کتبِ ستہ میں داخل کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد (۵۳۷۴) تک پہنچی، پھر کمپیوٹر کے ذریعے مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان میں سے (۴۰۷۴) مکرر ہیں، یوں غیر مکرر روایات کی تعداد (۱۳۰۰) ہوئی۔ پھر اس تعداد کی مزید تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند کے بغیر روایت کی ہیں۔ یہ ایک پہلو ہوا۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ کتبِ صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند کے علاوہ روایت کی گئی احادیث کو حذف کرنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا کہ جن احادیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد ہیں، ان کے علاوہ کسی صحابی نے ان کو روایت نہیں کیا، ان احادیث کی تعداد، دس سے کم ہے۔

مذکورہ تحقیق سے روایتِ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی امانت وصداقت نمایاں ہوتی ہے، اور ان پر باندھی گئی تہمتوں سے ان کا دامن صاف معلوم ہوتا ہے۔

اس تحقیق میں سیرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خدمت کرنے والے رجالِ کار نے حصہ لیا ہے، جن میں ڈاکٹر (محمد ضیا الرحمٰن اعظمی بھی شامل ہیں، موصوف نے دقیق تحقیقی کام کیے اور قابلِ قدر جدوجہد کی ہے، اور اس

موضوع کے حوالے سے میرا تعاون کیا ہے۔ پھر اللہ تعالی کی توفیق سے احادیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کام کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم کتبِ ستہ سے کتبِ تسعہ (صحیحین، سنن اربعہ، موطا مالک، مسند احمد اور سنن دارمی) کی طرف منتقل ہوئے، اور ہمیں معلوم ہوا کہ کتبِ تسعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب احادیث کی تعداد (۸۹۶۰) ہے، ان میں سے (۸۵۱۰) روایات، سندِ متصل کے ساتھ اور (۴۵۰) احادیث، سندِ منقطع کے ساتھ مروی ہیں۔

باریک بینی کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کتبِ تسعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد مکررات کو حذف کرنے کے بعد (۱۴۷۵) ہے، اور ان احادیث کی روایت میں بھی ان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک تعداد شریک ہے۔

بعد ازاں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سند سے روایت کردہ احادیث کو حذف کرنے کے بعد ہمیں ایک اہم حقیقت تک رسائی حاصل ہوئی کہ کتبِ تسعہ میں مکررات سمیت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد (۲۵۳) ہے، اور ایسی روایات جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تکرار کے بغیر منفرد ہیں اور کتبِ تسعہ میں ان کے علاوہ کسی صحابی نے انہیں روایت نہیں کیا، ان احادیث کی تعداد (۴۲) ہے۔

ہم اپنی تحقیق کو مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں، لیکن مذکورا امور وحقائق نے ان تمام بے بنیاد وخود غرضانہ شبہات اور اتہامات کو دور کر دیا ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر تھوپے جاتے تھے، اور انہیں کثرتِ احادیث کی تہمت لگاتے ہوئے کہا جاتا تھا: انہوں نے اکیلے (۸۰۰۰) روایات نقل کی ہیں۔ اور بعض لوگوں نے کہہ دیا: انہوں نے (۵۰۰۰) احادیث اکیلے روایات کی ہیں۔ یوں ہی بنا سوچے سمجھے، باریک بینی اور تحقیق کیے بغیر (ان پر اتہامات لگائے جاتے ہیں)۔

۴:.....شیخ سید محمد منتصر کتانی رحمہ اللہ کے اعداد وشمار:

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی نے اپنی کتاب **ابو هريرة والحقيقةُ الكاملة** (ص:۴۴و۴۸) میں لکھتے ہیں:

علمائے حدیث میں سے ڈاکٹر خلیل ملا خاطر نے ذکر کیا ہے کہ وہ سنہ ۱۳۹۲ھ میں مسجدِ نبوی میں سید محمد منتصر کے درس میں شریک رہا کرتے تھے، شیخ کتانی مسندِ امام احمد بن حنبل کا درس دیتے تھے، اور اس میں مسند ابی ہریرہ کی احادیث زیرِ درس تھیں، چنانچہ وہ حدیث کو ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتاتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کن صحابہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، اور ایک، دو، تین یا زیادہ صحابہ کو شمار کرتے تھے۔ اور مسند ابی ہریرہ کے

اختتام پر فرمانے لگے:

(احادیثِ ابو ہریرہ کے متعلق) ہم ایک اہم نتیجے تک پہنچے ہیں کہ (مسندِ احمد میں مذکور روایات میں سے) جن روایات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد ہیں، ان احادیث کی تعداد محض سات یا آٹھ ہے۔

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی نے مذکورہ کتاب (ص: ۵۰تا۵۴) میں نمونہ کے طور پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں سے چالیس مثالیں درج کی ہیں، اور ساتھ ساتھ ان صحابہ کا بھی ذکر کیا ہے جو ان احادیث کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شریک ہیں۔

۵:.....مُنتدَی اهلِ البیت کے مشرف کی شماریات:

استاذ محمد امین نے مُلتقی اهلِ الحدیث (معروف عرب ویب سائٹ) میں منتدی آلِ البیت کے مشرف محترم سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کتبِ تسعہ) صحیحین، سنن اربعہ، موطا مالک، مسند احمد اور سنن دارمی (میں روایاتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی محض آٹھ احادیث کے علاوہ دیگر تمام روایات میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے شریک ہیں، کیا آپ اس کی تصدیق کریں گے؟!

وہ آٹھ احادیث درج ذیل ہیں:

۱:.....بینما رجلٌ راکب بقرةً .....الی آخرِ الحدیث، سنن الترمذی، ابواب المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۱۰

۲:.....قَرَاَ رسولُ اللّٰہِ: یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا.....سنن الترمذی، ابواب صف القیام، رقم الحدیث: ۲۳۵۳

۳:.....اَتَدرُوْن مَنِ المفْلِسُ.....، صحیح مسلم، کتاب البر والصل، رقم الحدیث: ۴۶۷۸

۴:.....اَوّلُ من یُدعَی یوم القِیامةِ .....مسند احمد، باقی مسند المکثرین، رقم الحدیث: ۸۵۵۸

۵:.....اظلَّکُم شهرُکم.....مسند احمد، باقی مسند المکثرین، رقم الحدیث: ۱۰۳۶۵

۶:.....اَعذَرَ اللّٰہ اِلی امرِیءٍ.....صحیح البخاری، کتاب الرقاق، رقم الحدیث: ۶۴۹۴۰

۷:.....اَقرَبُ مَا یَکونُ الْعَبْدُ.....صحیح مسلم، الصلاۃ، حدیث رقم: ۷۴۴

۸:.....بَینا ایوبُ یغتسلُ.....صحیح البخاری، کتاب الغسل، رقم الحدیث: ۲۷۰

(مذکورہ تفصیل سے) معلوم ہوا کہ کتبِ تسعہ میں درج (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی) احادیث میں

مذکورہ آٹھ احادیث کے علاوہ ہر حدیث میں ایک یا زیادہ صحابہ حدیث کو روایت کرنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شریک ہیں، (کتبِ تسعہ میں) محض ان آٹھ احادیث میں وہ منفرد ہیں۔

راقم (مولانا طلحہ بلال احمد منیار مدظلہم) کا خیال ہے کہ محترم مشرف صاحب نے یہ تحقیق ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی کی کتاب (ص:۱۶۴) سے اخذ کی ہے، کیوں کہ انہوں نے کتبِ تسعہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو منفرد روایات ذکر کی ہیں، وہ ڈاکٹر محمد عبدہ کے بیان کے مطابق ہیں۔

٦: ڈاکٹر عبدالسمیع انیس حفظہ اللہ کے اعداد و شمار:

ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی کتاب **بحوثٌ فی السنۃِ المطھرۃ** (ص:۱۷) میں رقم طراز ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کو شمار کرنے کی غرض سے میں نے اہم کتبِ سنت میں سے درج ذیل پندرہ کتابوں کی مراجعت کی ہے:......مسند الامام احمد، والکتب الستہ، موطا مالک، مسند الحمیدی، سنن الدارمی، صحیح ابنِ خزیمہ، اور الادب المفرد۔ نیز کتبِ ستہ کے مصنفین کی چند اور کتابیں۔ میں نے مکرر سندوں کو حذف کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی احادیث کی تعداد (۱۵۰۰) سے زیادہ نہیں۔ واضح رہے کہ مذکورہ تمام احادیث (سندا) صحیح نہیں، بلکہ ان میں حسن اور ضعیف روایات بھی شامل ہیں، اگر ہم ضعیف روایات (ان روایات کے ضعف کی بنیاد حضرت ابوہریرہ نہیں، دیگر ضعیف راوی ہیں) کو حذف کردیں تو مذکورہ تعداد میں کمی آجائے گی۔

۷: استاذ علی عبدالباسط مزید کی شماریات:

استاذ علی عبدالباسط نے اپنی کتاب **منھاج المحدِثین فی القرنِ الاول الھجریِ وحتی عصرِنا الحاضِر** (ص:۹۴) میں مرویاتِ ابوہریرہ کے بعض اعداد و شمار درج کیے ہیں:

۱: صحیحین میں ان کی (۶۰۹) احادیث ہیں، ان میں سے (۳۲۶) متفق علیہ ہیں، اور (۹۳) روایات میں امام بخاری رحمہ اللہ منفرد ہیں، جب کہ (۱۹۰) روایات میں امام مسلم رحمہ اللہ منفرد ہیں۔

۲:......سننِ اربعہ کے مصنفین اور امام مالک رحمہم اللہ نے موطا میں ان کی (۱۶۰۹) روایات درج کی ہیں۔

۳:......امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں تکرار سمیت ان کی (۳۸۴۸) روایات ذکر کی ہیں۔

۴:......امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ان کی (۵۳۷۴) احادیث روایت کی ہیں۔

۵: ابواسحاق ابراہیم بن حرب عسکری رحمہ اللہ (ت:۲۸۲ھ) نے مسند ابی ہریرہ یکجا کی ہے، اس کا ایک نسخہ ترکی کے کتب خانہ کوپریلی میں موجود ہے۔

مرویاتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت کے اسباب:

شیخ احمد محرم ناجی کی کتاب الضوءُ اللامعُ المبینُ عن مناهجِ المحدِثین (ص:۱۳۴) میں لکھا ہے:

منصفانہ غور وفکر کے نتیجہ میں مرویاتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درج ذیل اسباب سامنے آتے ہیں:

۱:.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بکثرت حاضری۔

۲:.....صفائے ذہن، شدتِ ذکاوت، جس نے انہیں صحابہ میں سب سے بڑے حافظِ (حدیث) کا مقام دلایا۔

۳:.....احادیث کی حرص، اور مجلسِ حدیث کی نگہداشت۔

۴:.....علمِ حدیث کے لیے فراغت، اور اس سے غافل کرنے والے امور نہ ہونا۔

۵.....: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد حکومتی امور یا دنیاوی مشغولیات نہ ہونا، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے بحرین سے معزولی کے بعد انہوں نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا۔

۶:.....(دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بنسبت) تاخیر سے وفات، اس بنا پر انہیں بہت سے تابعین سے ملاقات کے مواقع ملے، کہا جاتا ہے کہ ان سے آٹھ سو (صحابہ وتابعین) راویوں نے روایت کی ہے۔

:مذکورہ تمام امور سے اہم نکتہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حافظے میں برکت کی دعا کی اور انہیں اپنے سینے سے چمٹالیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس دعا کی برکتوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔

ذیل میں مرویاتِ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق مذکورہ اعداد وشمار کا خلاصہ نقشہ کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے:

نامِ محقق	اعداد وشمار کے مآخذ ومراجع	کل احادیث کی تعداد	مکررات کے حذف کے بعد تعداد	حضرت ابو ہریرہؓ کی متفردات
ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی	مسند أحمد والکتب الستۃ	.....	۱۳۳۶	۲۲۰
ڈاکٹر محمد مَطَری	.....	.....	.....	۱۱۰
ڈاکٹر عبدہ یمانی	الکتب الستۃ	۵۳۷۴	۱۳۰۰	۱۰
ڈاکٹر عبدہ یمانی	الکتب التسعۃ	۸۹۶۰	۱۴۷۵	۴۲
ڈاکٹر عبدہ یمانی	الکتب الستۃ	.....	.....	۸
سید منصر کتانی	مسند أحمد	.....	.....	۸
ڈاکٹر عبد المسیح الانیس	۱۵ کتابا	.....	۱۵۰۰	.....
ڈاکٹر علی عبد الباسط	مسند أحمد	۳۸۴۸	.....	.....

دیگر کتب سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کے اعداد وشمار

نام کتاب	نامِ مصنف	مرویات کی اجمالی تعداد
تحفۃ الأشراف، ط: عبد الصمد	مزی	۳۳۴۳
أطراف المسند الحنبلی	ابن حجر	۲۲۸۳
مسند أحمد، ط: الرسالۃ	ابن حنبل	۳۸۶۵
المسند الجامع (۱۲ کتاب)	معاصرین	۲۷۳۹

مدارس کے نئے فضلاء سے چند گزارشات

مولانا عمران عیسیٰ حفظہ اللہ

استاذ: جامعہ بنوری ٹاؤن

شعبان ۱۴۴۴ھ میں درس نظامی میں سے فراغت حاصل کرنے والے نوجوان فضلاء مدارس مبارکباد قبول فرمائیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی عمر، صحت، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائے.....(آمین)

بلاشبہ آٹھ سے دس سال آپ نے اور آپ کے والدین نے حوصلے واستقامت کے ساتھ اپنے آپ کو علمِ دین کے حصول کے لیے فارغ کیا اب عملی میدان میں جانے کا وقت ہے جس کے لیے آپ نے اپنے مخلص اساتذہ سے بہت سی نصائح سنی ہوں گی۔الدین النصیحۃ کے تحت، راقم بھی اپنا حصہ اس میں ملانا چاہتا ہے۔

پہلی بات:.....اس بات کو طے کرلیا جائے کہ جب اللہ نے آپ کو اپنے علم کے لیے قبول کیا تو اب مرتے دم تک اس کے ساتھ جُڑے رہیں گے، یہ نہ ہو کہ مدرسہ سے نکل کر کلی طور پر دنیاوی مشاغل ہی میں پھنس کر رہ جائیں۔جس طرح ہمارے لیے یہ تعجب خیز بات ہے کہ ڈاکٹر بننے کے بعد ڈاکٹر دودھ کی دوکان کھول لے، اسی طرح ہمیں بھی آسمانی علم کے ساتھ نسبت کی لاج رکھنی ہے، معاش کی فکر غلط نہیں، مگر غالب وقت اور ترجیح علم اور دین کے لیے ہونی چاہیے۔اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ "سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ، وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْن. (مشکاۃ المصابیح: الفصل الثالث، (۳/۴۳۶) ط: المکتب الإسلامی، بیروت)

''میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہوجاؤں، بلکہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ: ''اپنے رب کی حمد وثنا بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہوجائیں، اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں؛ حتیٰ کہ آپ وفات پاجائیں۔''

دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ ہمارے لیے ''فارغ'' اور ''فاضل'' کا لفظ بولا تو جارہا ہوگا مگر ہم نے اپنے آپ کو نہ فارغ سمجھنا ہے نہ فاضل، بلکہ ابھی بہت کچھ پڑھنا اور سیکھنا ہے.....اور بہت سے کام کرنے ہیں۔

تیسری بنیادی بات یہ ہے کہ علم کا حصول ہوتا تو عمل سے پہلے ہے جیسے وضو نماز سے پہلے کیا جاتا ہے مگر جیسے وضو

برائے وضو نہیں، بلکہ برائے نماز ہے، اسی طرح علم بھی برائے عمل ہے۔ اس لیے اس کا عزم کرنا ہے کہ ہمیں صالح و دیندار بن کر زندگی گزارنی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ طلبِ علم کے زمانے کی کمی کوتاہی کی وجہ سے حوصلے پست نہیں کرنے۔ مصری ادیب، مصطفیٰ لطفی منفلوطی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک باپ نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ ''بڑے ہو کر کیا بننے کا ارادہ ہے؟'' (یعنی تمہارا Ideal کون ہے؟) بیٹے نے کہا: ابا جی! آپ ہی میرے لیے Ideal ہیں، اس پر باپ نے إنّا للّٰہ پڑھی کہ کیسی چھوٹی نیت کی، میں جب تمہاری عمر کا تھا تو نیت کرتا تھا کہ میں علی ابن طالب رضی اللہ عنہ جیسا بنوں گا، (واضح بات ہے کہ ان جیسا تو بن ہی نہیں سکتا مگر اپنا ہدف ایسا بنایا کہ آگے بڑھنے کا میدان وسیع رہے۔) اس لیے اونچے عزائم کے ساتھ میدانِ عمل میں جانا ہے۔

ان تمہیدی و بنیادی باتوں کے بعد عرض ہے کہ ہمارے جدید فضلاء کے سامنے بالعموم دو راستے ہوتے ہیں۔ یا تو تخصص کی طرف جاتے ہیں، یا تدریس کے شعبے سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔

دونوں ہی فائدہ مند و درست ہیں، تخصص کرنے والوں سے تو عرض ہے کہ یکسوئی کے ساتھ تفصیلی نصاب والی جگہ کو ترجیح دیں۔

تدریس کی طرف جانے والے ساتھی درج ذیل بنیادی باتیں ذہن میں رکھیں۔

الف:..... تدریس و تعلیم براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وظیفہ ہے، اس لیے اس میں اسوہ و نمونہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو بنایا جائے۔ اس کے لیے شیخ عبدالفتاح کی کتاب **الرسولُ المعلم وأساليبُه في التعليم** بہت حد تک کفایت کا کام دے گی۔ خاص طور پر اس کتاب کا وہ حصہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کی نفسیات و طبائع کی رعایت کے واقعات ہیں۔

ب:..... فنون کی ابتدائی کتب پڑھانے کو عار نہ سمجھے بلکہ اس کو ترجیح دی جائے۔ تدریس شروع کرنے کے بعد اندازہ ہوگا کہ درحقیقت کسی کتاب کو پڑھانے کے ذریعہ گویا خود پڑھنا شروع کرتا ہے، اس لیے ایک کتاب کم از کم چار سال زیر درس رہے تو اس کتاب و فن سے فی الجملہ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔

ج:..... تدریس بھی "سیکھنے" سے تعلق رکھتی ہے جیسے ڈاکٹر، محض ایم بی بی ایس کر کے علاج شروع نہیں کرتا یا جیسے عصری تعلیمی اداروں میں بی ایڈ کیا جاتا ہے، اسی طرح تدریس کو بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اکابرِ وفاق بھی اس سلسلے میں کسی رسمی نظم کے قائم کرنے میں کوشاں ہیں، تاہم جب تک ایسی صورت سامنے نہیں آتی تو کم از کم اپنے طور پر تدریس کے اصول و آداب کو کسی کہنہ مشق استاذ سے سمجھا ضرور جائے۔

د:.....تدریس کے لیے مطالعہ کا اہتمام ہو اور وہ مطالعہ ایک آدھ شرح/کاپی پر منحصر نہ ہو بلکہ متعلقہ فن کی تمام اہم کتب کی مراجعت کی جائے۔ یہ تفصیلی مطالعہ آپ کے اپنے استفادے کے لیے ہے، نہ کہ طلبہ کے لیے کیوں کہ طلبہ کو تو اس میں سے دس فیصد باتیں بتائی جائیں گی۔

کام کرنے کے دیگر مواقع:

چوں کہ فضلاء و متخرجین کی تعداد مدارس کے بنسبت زیادہ ہے اور اہلِ مدارس کی ترجیح بھی بعض مرتبہ نئے (Fresh) فاضل کو لینا نہیں ہوتا بلکہ وہ تجربہ کار مدرس کی تلاش میں ہوتے ہیں (جس میں وہ حق بجانب ہیں) لہٰذا اب اگر آپ کے احوال آپ کو تخصص کے لیے فارغ نہیں کرتے اور تدریس کی جگہ بھی میسر نہیں ہوتی تو آپ اس صورتِ حال سے پریشان نہ ہوں کیوں کہ آپ مثلاً درج ذیل کاموں میں بھی اپنے آپ کو مشغول کر سکتے ہیں:

۱.....قرآنی مکتب/شعبہ حفظ:.....عام طور پر درسِ نظامی کے فاضل کی ترجیح قرآن کریم پڑھانا نہیں ہوتا، بلکہ یہ شعبہ یا تو حفاظ کے حوالے ہو جاتا ہے جن کو عُرف میں قاری صاحب کہتے ہیں، دوسرے نمبر پر وہ فاضلِ درسِ نظامی جو کمزور استعداد اور مقبول کی تقدیر کے ساتھ (مثلاً) وفاق کے امتحان میں کامیاب ہوا ہو۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جید فضلاء، احتساب کی کیفیت کے ساتھ اس شعبہ کو اختیار کریں، کیوں کہ ہمارا مقصد تو احیاءِ دین ہے اور یہ شعبہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ مسلمان باپ اپنے بچے کو عالِم بنائے نہ بنائے، تبلیغ میں بھیجے نہ بھیجے، مگر بالعموم مکتب ضرور بھیجتا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ مکتب کے بچوں کو نورانی قاعدے و ناظرے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بطورِ مشن اسلام/ایمان/توحید اور اخلاق و آداب کا تخم مسلمان بچے کے دل میں ڈال دیا جائے۔ کتنی حیران کن بات ہے کہ ہمارے دیوبندی سلسلۃ الذھب کے دو روشن مینار، حضرت نانوتوی و حضرت گنگوہی کو اس مقام پر پہنچانے میں بڑا دخل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کا تھا، اور حضرت حاجی صاحب کو حاجی صاحب بنانے والے ان کے مکتب کے میانجی تھے۔

اس لیے فضلاء مدارس اگر کسی ماہر مشاق مجود کو اپنا قرآن کریم، حدر میں سنا کر تجویدی اغلاط کی اصلاح کرالیں اور پھر اس شعبہ میں ثواب و استخلاص کے ساتھ لگ جائیں تو استعمال کی جگہ بھی میسر ہوگی اور ان شاء اللہ بہت بڑا صدقہ جاریہ بھی ہوگا۔

۲.....دراساتِ دینیہ:.....اللہ کا دین تمام مسلمانوں کے لیے ہے اور مسلمان زندگی کے مختلف شعبوں میں منتشر ہیں، ان مسلمانوں کو دین کی طرف لانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اس کی آسان صورت ہر بالغ/مکلّف مسلمان کو

دین اور علمِ دین کے ساتھ جوڑنا ہے۔

یہ کام کسی درجہ میں تبلیغی جماعت، صحبتِ صالحین کے ذریعہ ہو بھی رہا ہے مگر وہ ناکافی ہے، دوسری طرف ایک طبقہ مسلمانوں کا ایسا ہے جو ترجمہ قرآن، عربی زبان وغیرہ جیسے عنوانات پر مسجد کے قریب آنے کو تیار ہوتا ہے۔

وفاق المدارس کے تحت دو سالہ دراسات دینیہ کورس میں عوامی دلچسپی کے سارے مواد مجتمع ہیں۔ اس لیے ہر فاضل اپنی مقامی مسجد کو مرکز بنائے اور بڑی تعداد کے جمع ہونے کا انتظار نہ کرے بلکہ دارالعلوم دیوبند کی ابتداء کو یاد رکھے کہ انار کے درخت کے نیچے ایک استاذ کے سامنے ایک ہی طالبِ علم تھا۔

ممکن ہے دراسات کے مقررہ نصاب پر ہمیں کچھ تحفظات ہوں، مگر نصاب میں آپ جو بھی تبدیلی کریں گے وہ پھر بھی موضوع بحث رہے گا، اس لیے اجتماعی دھارے میں چلتے ہوئے طے شدہ نصاب کو ہی اختیار کر لیا جائے اور بہتری کے لیے دعا کی جائے اور متعلقہ حضرات تک مشورہ پہنچایا جائے، مگر کام سے پیچھے نہ رہا جائے۔

بندہ اس کورس سے بحمدہ تعالیٰ اس وقت سے وابستہ ہے جب وفاق نے پہلی مرتبہ اس کورس کا اعلان کیا (جب یہ کورس تین سالہ تھا) اور ذاتی طور پر شاہد ہوں کہ عملی زندگی سے جڑے مسلمانوں کی زندگی، اس کورس سے کیسی بدلتی ہے، اور نظریاتی وفکری لحاظ سے یہ حضرات کتنے پختہ ہو جاتے ہیں۔

پھر اس کورس کے انعقاد کے لیے مالی مصارف کا بوجھ نہیں، نہ جگہ درکار، مسجد ہی میں کلاس لگ سکتی ہے، تبلیغی جماعت کی ترتیب پر ہر مسجد، مسلمانوں کو اپنی ضرورت کا دین سکھانے کا مرکز بن سکتی ہے۔

۳.....وقتی، مناسبات ومواسم کے لحاظ سے، مختصر دورانیے کے کورس/محاضرے:.....سال بھر مسلمانوں کو کسی نہ کسی عنوان سے ان کی ضرورت، دلچسپی کا دین سکھانے کا بندوبست کیا جائے جو ایک یا ایک سے زیادہ نشستوں پر مشتمل ہو، جس میں ہمارے فضلاء تیاری کر کے اپنی ذات سے بھی خوب مستفید ہوں اور لوگوں کا بھی بھلا ہو۔

یہ محاضرات بیشک تجربہ چاہتے ہیں مگر واضح بات ہے کہ ہر تجربہ کار شخص بھی ابتدا میں تو غیر تربیت یافتہ ہوتا ہے پھر محنت و دلچسپی ولگن سے کام کرنے سے وہ تجربہ کار کہلایا جانے لگتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابتداء، آپ بیشک ان مجالس کے انعقاد کا انتظام سنبھالیں اور محاضرات کے لیے علاقے کے پرانے علماء سے استفادہ کریں، رفتہ رفتہ آپ بھی اس میں چل پڑیں گے۔

ذیل میں نمونے کے لیے چند عنوانات ذکر کرتا ہوں، جس سے انداز ہوگا کہ اگر کام کرنا چاہیں تو یہ موسمی/علمی دروس گو کہ مختصر دورانیے کے ہوں مگر ان کی تیاری ومحنت میں مشغولیت مستقل کام ہے:

۱۔دروسِ سیرت

۲۔استقبالِ رمضان کریم

۳۔زکوٰۃ آگاہی کورس

۴۔نماز سنت کے مطابق پڑھیں۔

۵۔گھریلو جھگڑے اور اسلام کی روشنی میں ان کا حل

۶۔بچوں کی دینی تربیت کیسے کریں۔

بہرحال یہ چند گزارشات، اختصار کے ساتھ اپنے مشاہدے وتجربے کی روشنی میں پیش کردیں۔اصل بات ابتدا والی ہے کہ ہم اللہ کے دین کی آبیاری کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے کا عزم کریں اور اللہ سے صدقِ دل سے قبولیت کی دعا کریں، قُلْ مَایَعْبَأُ بِکُم رَبِّیْ لَوْلَا دُعَائُکُمْ (الفرقان)۔پھر جب اللہ قبول کرنے کا فیصلہ فرمالیں گے تو استعمال کے راستے بھی وہ خود دکھادیں گے۔

وصلی اللّٰہ وسلم علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ أجمعین!.

(بقیہ: نامور محدث مولانا حیدر حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ)

۱۲:.....مختلف مسالک کے طلبہ کی شرکت:

مولانا کے طرزِ تحقیق میں وسعت اور ندرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے درس میں چاروں فقہ سے تعلق رکھنے والے طلبہ اور غیر مقلد بھی طلبہ شریک درس ہوتے، فرماتے تھے:.....''دلائل کو سمجھ کر کوئی رائے قائم کرو، ہاں میں ہاں مت ملایا کرو''، بلکہ سطحی سوچ رکھنے والے طلبہ کی بجائے ان کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے جو غور وخوض، بحث وتحقیق کے عادی تھے۔سطحی سوچ رکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ اس انداز سے اکابر سے انسان بدظن ہوجاتا ہے، حالانکہ اُن کی یہ سوچ غلط فہمی پر مبنی تھی، بزرگوں کی تعظیم، اسلاف کا احترام، محدثین کی عزت اور فقہا کا ادب ہمیشہ ملحوظ رہا۔یہ بات ان کے ذہن ودماغ میں بس چکی تھی کہ اکابر ہوں یا اصاغر، متقدمین ہوں یا متأخرین، سب کی تعظیم کرنی چاہیے، لیکن ایک عالم کے کو دلائل پر ہمیشہ نظر رہنی چاہیے۔

اس کا نتیجہ تھا کہ ان کے طلبہ میں زورِ تحقیق موجزن نظر آتا ہے، وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے، کسی کی بات لینے یا چھوڑنے میں ہمیشہ تحقیق کو سامنے رکھتے ہیں اور شخصیات سے متأثر ہوکر کبھی کوئی رائے قائم نہیں کرتے۔

نوٹ: یہ مضمون مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ کی کتاب: ''مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی'' اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''پرانے چراغ'' (جلد اول ص۱۵۹-۱۷۷) سے تیار کیا گیا ہے۔

نامور محدث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ

اوران کا اسلوبِ تدریس

مولوی عبدالرحمٰن سلیم

اسلام نے شروع دن سے ہی تعلیم وتعلم پر زور دیا ہے، ''اقراء'' اور ''علم بالقلم'' سے شروع ہونے والا وحی کا سلسلہ جوتقریبا ۲۳ سال پر محیط رہا، اس میں وقتاً فوقتاً مختلف انداز سے تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا۔ یہ تعلیم ہی کی برکات تھیں کہ وہ صحرانشین عرب جن کی زندگی آپس کے جنگ وجدل، انساب واحساب پرفخر، اور تجارت کے لیے مختلف ممالک کے سفر کے گرد گھومتی تھی، وہی لوگ جب اسلام کی آغوش میں آئے تو عالم انسانیت کو امن وامان کا درس دیا، تعلیم کو عام کیا، جگہ جگہ ماہرین فن اساتذہ نے درس وتدریس کے حلقے لگائے، تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم کے دروس اسلامی ممالک میں مختلف مقامات پر شروع ہوئے، تعلیم کا عمومی رواج مسلم معاشرہ میں عام ہوا، جہالت کے اندھیرے رفتہ رفتہ معاشرے سے ختم ہونا شروع ہوئے۔

قرآن وحدیث اس قدر تحقیق کے بعد امت تک پہنچے، بلکہ وہ رجالِ کار جنہوں نے اس علم کے ساتھ اشتغال رکھا، ان کی زندگی کے حالات بھی امت تک پہنچے۔

تدریس دیگر فنون کی طرح ایک فن ہے، جس کا سیکھنا ازبس ضروری ہے، کہ کس طرح طالب علم کے ذہن میں آسانی سے فن کی باتوں کو اتارا جائے، مختلف درجے کی ذہنیتوں کا لحاظ رکھا جائے، اسلوبِ بیان کا خیال رکھا جائے، فنی مباحث کے حل پر توجہ دی جائے، طلبہ کے سوالات کے تشفی بخش جوابات دئے جائیں اور فن کی اہم کتب کا تعارف کرایا جائے۔

مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی انہی شخصیات میں سے ہیں، جنھوں نے اپنے طرز تدریس میں تحقیقی اسلوب کو اختیار کیا، تحقیقی طرزِ اسلوب سے حاصل فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

تدریس میں تحقیقی طرز کے فوائد:

۱:.....علم کا شوق اور رغبت پیدا ہوتی ہے۔

۲:.....استعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳:.....تلاش وجستجو کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۴:.....فن میں رسوخ حاصل کرنے میں معاون کا کردار ادا کرتا ہے۔

۵:.....فن سے متعلقہ کتب کا خصوصًا اور دیگر فنون کی کتابوں کا عموماً تعارف ہوجاتا ہے۔

۶:.....کتابوں سے انسیت ہوجاتی ہے۔

۷:.....متنوع کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے مختلف گوشے دماغ میں آتے ہیں۔

۸:.....مختلف کتابوں کی مراجعت سے مباحث کی گوناگوں جہات سامنے آتی ہیں، نیز بکھرے مباحث کو یکجا کرنا اوران سیدرست نتیجہ نکالنا آسان ہوجاتا ہے۔

۹:.....مشکل مباحث کے حل کرنے سے لذت وسرور حاصل ہوتا ہے، جوانسان کوعلمی زندگی میں آگے سے آگے بڑھنے پرآمادہ کرتا ہے۔

۱۰:.....علمی مباحث میں مشغولیت، فکری انتشار سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

مولانا حیدرحسن خاں ٹونکیؒ کا خاندانی پس منظر:

مولانا حیدرحسن خاں ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۸۶۴ء ریاست ٹونک (راجپوتانہ) میں ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی)(، بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے، ان کے والد صاحب کا نام مولانا احمدحسن خاں تھا، ان کے بزرگ "بونیر" (خیبر پختونخواہ، پاکستان) سے نجیب آباد (انڈیا) میں آکر رہائش پذیر ہوگئے تھے، ان کے دو بڑے بھائی مولانا محمدحسن خاں اور مولانا محمودحسن خاں تھے، مولانا محمدحسن خاں کو فقہ میں انتہائی کمال حاصل تھا، موصوف ریاست ٹونک کے مفتی مقرر ہوئے، جبکہ مولانا محمودحسن بھی غیر معمولی قابلیت کے حامل تھے، انہوں نے "معجم المصنفین" تصنیف کی، جس میں آغاز اسلام سے لے کر مصنف کے زمانہ تک مسلمان مصنفین کے حالات قلمبند کیے ہیں، جس کے متعلق بعض محققین کا اندازہ ہے کہ وہ ۶۰ رجلدوں اور ۲۰۰۰۰ رصفحات پر مشتمل ہے، جس میں تقریباً ۴۰۰۰۰ رعلماء کی حالاتِ زندگی کو قلمبند کیا گیا ہے، اس کی ۴ جلدیں مملکت آصفیہ (حیدرآباد، دکن۔انڈیا) سے شائع ہوچکی ہیں، اسی طرح "اصول توارث" پر ایک پرمغز رسالہ بھی زیبِ قرطاس کیا۔

مولانا حیدرحسن خاں کا بھائیوں میں تیسرا نمبر تھا، جو ہمارے اس عنوان کی زینت ورونق ہیں، چوتھے بھائی مولانا مظہرحسن خاں تھے، جو علمِ الالسنہ اور عربی ادب میں یدِطولی رکھتے تھے، عرصہ تک میسور کے ایک کالج میں پروفیسر رہے، پانچویں بھائی مولانا حکیم مسعودحسن خاں تھے، موصوف بھی عالم فاضل اور طبیب تھے۔ مفتی ولی حسن خاں ٹونکیؒ جو پاکستان کے مفتی اعظم اور جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں شیخ الحدیث بھی رہے، مولانا محمدحسن خاں کے

پوتے اور مولانا محمود حسن خاں کے بھتیجے تھے۔

مولانا حیدر حسن خاں کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے، جنہیں اللہ نے علم کے حصول اور استفادہ کے لیے پیدا کیا تھا۔ نوعمری سے جوانی تک خوب محنت سے علم حاصل کیا، زندگی کے شب و روز علمی مصروفیتوں میں صرف ہوتے، اس غرض سے لاہور، دہلی، بھوپال غیرہ مختلف شہروں کی خاک چھانی، علوم میں محض رسمی تکمیل پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مروجہ علوم میں کمال درجہ کی مہارت پیدا کی۔

تدریسی زندگی کی ابتدا:

اسلامی تاریخ میں ہمیشہ صاحبِ فن کی قدر کی جاتی رہی ہے، امت نے ہمیشہ ایسے اہلِ علم کی صلاحیتوں کا لوہا مانا ہے جنہوں نے کسی بھی فن میں اختصاصی صلاحیتیں حاصل کی ہوں، اور اُس فن میں مہارتوں کے مالک ہوں۔ ریاستِ ٹونک کے سرپرست صاحبزادہ عبدالرحیم کے دینی جذبہ نے علومِ دینیہ اور فنونِ عقلیہ میں مدرسہ ناصریہ کو یکتائے روزگار بنادیا تھا، ان کی اسی قدردانی کی بدولت ماہرین فنون، ذی استعداد مدرسین کشاں کشاں یہاں آنے لگے۔

مولانا حیدر حسن خاں نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز اسی مدرسہ سے کیا، مولانا اگرچہ نوآموز تھے، لیکن بہت جلد ہی ان کی صلاحیت اور استعداد کے جوہر کھل کر سامنے آنے لگے، ''مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' خوشبو وہ ہے جو سر چڑھ کر اپنا وجود منوائے، عطر فروش کو اس کے گیت گانے کی ضرورت نہ ہو، تھوڑے ہی دنوں میں ان کی فنی مہارت اور قوتِ تدریس کی دھوم مچ گئی، ٹونک اگرچہ اہلِ کمال کا مرکز تھا، بڑے بڑے جید علما مسندِ تدریس پر جلوہ افروز تھے تو دوسرے طرف خود مدرسہ ناصریہ بھی اہل کمال کا مرکز تھا ایسے کسی نئے آدمی کی دال گلنا مشکل تھی، مگر چند ہی دنوں میں سربرآوردہ اور برسوں کے منجھے ہوئے اساتذہ ان کی استعداد کے قائل ہوگئے، نتیجۃً اطراف واکناف سے طلبہ کھچ کھچ کر آنے لگے۔

ندوۃ العلماء سے وابستگی:

دارالعلوم ندوۃ العلماء عرصہ سے کسی مشہور استاذِ حدیث اور ماہر فن استاد کا متلاشی تھا، ۱۹۲۱ء میں شیخ محمد عرب (خلف الرشید شیخ حسین ابن محسن انصاری) کے استعفیٰ کے بعد سے شیخ الحدیث کی جگہ خالی تھی، مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کا دور نظامت چل رہا تھا، وہ خود شیخ حسین کے شاگرد رشید تھے، ان کی نظر اپنے استاذ بھائی مولانا حیدر حسن خاں کی طرف گئی، جن سے وہ ٹونک سے واقف تھے، اور ان کے کئی عزیز بھی ان کے شاگرد رہ چکے تھے، حکیم صاحب، مولانا کے علم وفضل، تقویٰ اور مہارت فن سے خوب واقف تھے، انہوں نے مولانا کو ان کے شاگرد عزیز مولانا سید طلحہ حسنیؒ

کی وساطت سے ندوہ آنے اور شیخ الحدیث کا عہدہ قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن صاحبزادہ عبدالرحیم خاں جیسے عالی حوصلہ رئیس اور قدر داں کے دل کو تکلیف پہنچانا ان کے مذہب میں رَوا نہ تھا، عرصہ سے اُدھر سے اصرار، اِدھر سے انکار جاری رہا، بالآخر صاحبزادہ عبدالرحیمؒ کے انتقال کے بعد مولانا نے ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ بمطابق اگست ۱۹۲۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی پیشکش کو قبول فرمایا اور حدیث کی بڑی کتابیں مولانا کے سپرد ہوئیں۔

ندوۃ العلماء میں تدریس کی ابتداء ۱۹۲۱ء سے ہوئی، جس میں درمیان میں کچھ حالات کی ناسازی کی وجہ سے ندوۃ العلماء سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی، پھر ۱۹۲۳ء میں دوبارہ ندوہ سے متعلق ہوئے، یوں یہ سلسلہ تدریس ۱۹۴۰ء تک ۱۷ برسوں پر مشتمل رہا۔

حضرت کے معروف تلامذہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی، مولانا عمران خان ندوی، مولانا احمد جعفری ندوی رحمہم اللہ شمار ہوتے ہیں، اور ہمارے اساتذہ کے استاذ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ بھی حضرت کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے حضرت سے خوب استفادہ کیا اور ان کے اسلوبِ تحقیق اور منہج کو اپنایا اور اپنے تلامذہ کے ذریعے اس کے احیاء کا ذریعہ بنے۔

اندازِ تدریس:

مولانا نے حدیث کی کتابیں شیخ محسن یمانیؒ سے پڑھی تھیں، اور ان کے اسلوبِ تدریس سے متاثر تھے۔ آپ نے بھی اسی اسلوب کو اپنی تدریس میں اپنایا، اس اسلوب کو درجہ ذیل نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے:

۱:.....مآخذ کی آگاہی:

کسی بھی فن میں گہرائی اور گیرائی حاصل کرنے کے لیے اس کے مآخذ سے واقفیت ناگزیر امر ہے، خصوصًا اس فن کے بنیادی مآخذ جنہیں (primary sources) کہا جاتا ہے، اسی طرح طالب علم کی نظر اس فن کے ثانوی مآخذ پر بھی ہو۔ مولانا کو مآخذ کی آگاہی اور ان کے مراتب کی ذہن نشینی پر کمال حاصل تھا، طلبہ کو ان سے شناسا کرادیتے تھے۔

۲:.....آدابِ مطالعہ:

طلبہ کو جہاں مصادرِ اصلیہ اور فرعیہ سے متعارف کراتے، وہیں انہیں مطالعہ کا طریقہ بھی بتلاتے، مثلاً: مطالعہ کس طرح کیا جائے؟ اسے کس طرح محفوظ کیا جائے؟ کس طرح کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیا جائے؟ مطالعہ کے وقت کن آداب کو پیش نظر رکھا جائے؟ وغیرہ۔

۳:.....اندازِ بیان:

مولانا فقہی مسائل میں مذہبِ حنفیت کے دلائل کے لیے محض کتبِ فقہ پر اکتفاء کی بجائے کتبِ حدیث کا بھی انتخاب کرتے، اس سے جہاں ایک طرف طلبہ کے دل میں حنفیت کی عظمت میں اضافہ ہوتا تو دوسری طرف حنفیت پر جو آثار سے انحراف اور قیاس واجتہاد پر اکتفاء کی تہمت لگائی جاتی رہی ہے، نفی ہوتی، دیگر طبقات ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ احناف، احادیثِ ضعیفہ سے استدلال کرتے ہیں، جبکہ دیگر فقہاء اسی باب میں احادیثِ صحیحہ کو اپنا مستدل بناتے ہیں، ایسے مقامات میں مولانا کتب حدیث سے ہی ان کا جواب دیتے، جو تحقیقی اصولوں پر مبنی ہوتا۔

۴:.....وسعتِ مطالعہ:

کسی بھی فن میں اختصاص حاصل کرنے کے لیے مسلسل بنیادوں پر اس کا مطالعہ ضروری ہے، شب وروز اس کے مذاکرہ ومطالعہ میں بسر ہوں، مولاناؒ نے چونکہ اپنی ذات کو شروع ہی سے علمی مصروفیات کے لیے وقف کر رکھا تھا، زندگی کا اوڑھنا بچھونا علم اور مدرسہ کی چہار دیواری تھی، اس کا اثر تھا کہ مولانا کا مطالعہ اتنا وسیع وعمیق ہوتا کہ جن ابواب میں موافق دلائل ملنے کا گمان بھی نہیں ہوتا، ان سے اپنے مسلک کی تائید میں روایات نکال لیتے تھے، مثلاً: اوقاتِ نماز، تراویح کی رکعات کی تعداد، صاع کی مقدار وغیرہ اور اس طرح کے بیسیوں مسائل میں ان کی تحقیق و تلاش اُن کی وسعتِ نظر کا پتہ دیتی تھی۔

۵:.....حقیقت اور عقیدت:

طلبہ کرام میں عام طور پر اساتذہ کی عقیدت واحترام کا عنصر کبھی افراط وتفریط کا شکار ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے اگر کسی استاذ سے عقیدت ومحبت ہو تو اس کی ہر بات حرفِ آخر سمجھنے لگتے ہیں، طرہ یہ کہ بعض اوقات عقیدت کے جوش میں ان کی کسی غلط بات کو بھی صحیح کا جامہ پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مولانا کا مزاج اس کے برخلاف تھا، وہ "حقیقت، عقیدت سے بالاتر" کے اصول پر عمل پیرا تھے، تحقیق کے میدان میں کسی بھی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، اور نہ ہی عقیدت کی بنیاد پر کسی کا دعویٰ بے دلیل تسلیم کرتے تھے۔

۶:.....اصولِ حدیث سے اعتناء:

سلسلہ بحث میں اصولِ حدیث کے مباحث زیرِ بحث آجاتے، اس بارے میں ان کا ذوق بہت بلند تھا، اصولِ حدیث کی متداول کتابوں کے علاوہ نادر نسخے بھی ان کے پیش نظر ہوتے۔

۷:.....طلبہ کو اہم نصیحت:

طلبہ سے کہا کرتے تھے: ''مخالف کے دلائل، مخالف کی زبان سے سن کر سمجھ لو، جو لوگ ثانوی ذرائع سے

معلومات حاصل کرتے ہیں، بسا اوقات انہیں دھوکہ ہوجاتا ہے، اور وہ مخالفین کی طرف ایسے خیالات منسوب کردیتے ہیں، جنہیں وہ بھی تسلیم نہیں کرتے۔''

۸:.....حنفیت کے دلائل اکٹھے کرنا:

مولاناؒ کا شمار متصلب حنفیہ میں ہوتا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف عقیدت کی بنیاد پر وہ پکے حنفی تھے، بلکہ ان کا تصلب دلائل وشواہد کی بنیاد پر تھا۔ وہ موافق ومخالف ہر نوع کی تصانیف سے جس قدر ممکن ہوتا، دلائل جمع کرتے، اور طلبہ کو اُن دلائل سے آگاہ کرتے۔

۹:.....فقہاء کے مناہج کی پہچان کرانا:

میدانِ تحقیق میں کتابوں کا تعارف جس قدر وسیع ہوگا، محقق کی تحقیق میں اسی قدر توسع وتنوع ہوگا، جس طرح کتب کا تعارف ضروری ہے اسی طرح ان کے مناہج کی واقفیت بھی بے حد ضروری ہے، علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مولانا کے اسلوبِ تدریس میں ہمیں یہ پہلو نظر آتا ہے کہ وہ اپنے درس میں حدیث کے بڑے بڑے ائمہ اور فقہاء کے خیالات سامنے لاتے، اُن کی اہم تصانیف ذکر کرتے، ان کے طرزِ استدلال سے واقف کراتے، ان کے نہج کا طریقہ اور انداز بناتے۔

۱۰:.....تحقیقِ رواۃ کا منہج:

احادیث کے راویوں کے حالات کے لیے میزان الاعتدال، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب اور لسان المیزان کو تنقیدی نظر سے پڑھتے تھے، متقدمین کی کتابوں میں ان کی سند تلاش کرتے تھے، فرماتے تھے: "راوی کی توثیق و تضعیف ایک اجتہادی معاملہ ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک راوی، ایک محدث کے یہاں ضعیف ہو، جبکہ دوسرے کے یہاں وہ وجہ باعثِ ضعف نہ ہو، غرضیکہ جرح وتعدیل میں راوی کے حالات کے لیے تفصیلی مطالعہ ضروری ہے، صرف نقلِ اقوال پر اکتفا کرنا درست نہیں"۔

۱۱:.....اسلوبِ تحقیق میں تنوع:

مولانا کا طرزِ تحقیق صرف حدیثی اور فقہی مباحث کے ساتھ خاص نہ ہوتا، بلکہ اگر کسی لفظ کے سمجھنے کی نوبت آتی تو ائمہ لغت اور علمائے معانی و بیان کی اہم تصانیف کھلتیں، کلام عرب سے استشہاد ہوتا، الفاظ کی حقیقت اور مختلف زبانوں میں اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی جاتی، بڑی تحقیق اور تفتیش کے بعد کوئی رائے قائم کی جاتی۔ (باقی صفحہ نمبر:۴۹)

مدرسہ کے اجزائے ترکیبی

مفتی عصمت اللہ سنزرخیل

مدرسہ اصحاب صفہ اور اکابر کی روایات اور جہود وامانات کا ایک امین سلسلہ ہے۔ایک طرف جہاں امت کو دینی تعلیمات فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے تو دوسری طرف عوام کی دی ہوئے امانتوں کو ان کے حقیقی مستحقین تک پہنچانے کا امین اور ذمہ دار ہوتا ہے۔مدرسہ کے دو بنیادی پہلو ہیں: ایک خارجی وجود، جو عرف عام میں عمارت، عوامی حلقوں میں اس کی وقوع پذیر خدمات کا نام ہے، یہ زیر بحث نہیں۔

ایک مدرسہ کا داخلی وجود ہے، جو استاذ، طالب علم اور ان کے مجموعے کا مرکب ہے۔اہل مدارس کو دونوں طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔داخلی مدرسہ بنیادی طور پر تین چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے:

(۱)استاد(۲)طالب علم(۳)مدرسہ

(۱)-استاد کے تین پہلو ہیں:۱.....ذاتی حیثیت۔۲.....طالب علم سے تعلق۳.....مدرسہ سے تعلق

(۱)ذاتی حیثیت:علمی استعداد مضبوط ہو، عملی تفوق کا حامل ہو، یعنی علم سے آراستہ، اعلیٰ اخلاق وکردار کا مالک اور اکابر سے جڑا ہوا ہو۔

(۲)طالب علم سے تعلق: طالب علم کی استعداد پر محنت کرنے والا، اسباق بروقت اور تدریس کے تقاضوں کے مطابق پڑھانے والا، طالب علم کے اخلاق کی درستی میں اَتالیق کا کردار ادا کرنے والا ہو، کم از کم کسی بھی درجہ میں اخلاق بگاڑنے والا نہ ہو، نہ ایسا بدکردار ہو جو طلبہ کے اخلاق وکردار پر منفی اثرات ڈالے۔مارنے اور زدوکوب کرنے والا، یا جسمانی اور روحانی سزا دینے والا نہ ہو۔

(۳)مدرسہ سے تعلق: مدرسہ اور وقف کا خیرخواہ ہو، دیانت دار ہو، مفوضہ امور کو جاننے والا ہو اور سلیقے سے بروقت انجام دینے والا ہو۔

خلاصہ یہ کہ علمی استعداد کا مالک، اخلاق وکردار کا پیکر اور اکابر سے جڑا ہوا ہو، طالب علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان سمجھ کر اس کا خیرخواہ بن کر، اذیت نہ دیتا ہو۔اس کی استعداد پر محنت کر کے اسباق مکمل پڑھانے والا اور طالب علم کو اپنی دنیا وآخرت کا سرمایہ سمجھ کر اس کی کردار سازی پر محنت کرنے والا اور مدرسہ کا خیرخواہ، دیانت دار اور مفوضہ امور کو بروقت حسن وخوبی سے انجام دینے والا ہی کامل استاد کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

(۲)- طالب علم: اس کے بھی چند پہلو ہیں:

(۱) ذاتی حیثیت (۲) استاد سے تعلق (۳) مدرسہ سے تعلق (۴) اسباب علم سے تعلق۔

(۱)- ذاتی حیثیت: اس میں دین طلبی کا جذبہ ہو، دین کامل کا تصور اس کو حاصل ہو، اپنی استعداد کی حد تک محنت کرنے والا اور ہر عمل میں سنت کا پابند ہو۔

(۲)- استاد سے تعلق: استاد کو اپنا مربی سمجھے، اس کا احترام قلباً وقالباً کرے، سبق میں بروقت حاضر ہو، استاد کے پڑھائے ہوئے سبق کو اپنی بساط کے مطابق یاد کرنے کی کوشش کرے، استاد سے سیکھنے کا جذبہ رکھے۔

(۳)- مدرسہ سے تعلق: مدرسہ سے تعلق میں علم، اسباب علم اور اسباب فراہم کرنے والے (مہتمم، ناظم، معاونت کرنے والے) تمام ذمہ دار شامل ہیں۔

مدرسہ کے اصول وضوابط کا پابند ہو، علم کی قدر ومنزلت دل میں ہو، اسباب علم: کتاب، کاغذ، قلم، تپائی، بورڈ، درسگاہ، کمرہ، مطبخ، غرض مدرسہ کے دروازہ سے داخل ہوکر ان تمام چیزوں کی قدر ہو جو طالب علم کی سہولت کے لئے مہیا کی گئی ہوں، ان کا خیال رکھنے والا، صفائی کرنے والا اور ان کو ضیاع سے بچانے والا ہو، نظام تعلیم کا پابند اور کسی امر پر بلاوجہ اعتراض نہ کرنے والا ہو۔

غرض جب طالب علم مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہو تو وہ حقیقی معنوں میں طالب علم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

(۳) مدرسہ: استاد اور طالب علم کے مجموعے سے جو کچھ وجود میں آتا ہے، وہ مدرسہ کہلاتا ہے۔ یہ مدرسہ کا حقیقی وجود ہے، اور ایک مدرسہ کا عرفی وجود ہے، جو بلڈنگ، چار دیواری، کمروں اور درسگاہوں کا نام ہے۔ اس کو مدرسہ کہا جاتا ہے۔ اور آج کل مہتمم یا ناظم کو مدرسہ والے سمجھے جاتے ہیں۔

تاہم حقیقی مدرسہ کا تعلق دو افراد سے ہے: ایک استاد، دوسرا طالب علم۔

استاد سے مدرسہ کا تعلق: مدرسہ بہتر استاد کا تقرر کرے، اوقاتِ کار متعین کرکے استاد سے خدمت لے، عرفِ عام میں ایک استاد کے لیے جن سہولیات کا ہونا ضروری ہے، وہ تمام سہولیات مدرسہ استاد کو فراہم کرے، اگر کل وقتی استاد ہے، تو اس کے لئے کھانے پینے اور رہائش کا معقول اور بہتر انتظام کرے۔

ایک عام مزدور کی تنخواہ کے بجائے استاذ کے لیے بہترین تنخواہ کا انتظام کرے، تاکہ وہ پورے اوقات اطمینان سے مدرسہ اور طلبہ کی ضروریات میں صَرف کرسکے۔ کم تنخواہ پر استاذ رکھنا یا بلاعوض کسی استاذ کا پڑھانا مدرسہ اور طلبہ دونوں کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ اس سے علم اور اہلِ علم کی شان کم ہوتی ہے۔ اور عموماً ایسے اساتذہ مدرسہ وانتظامیہ اور طلبہ کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور ان سے انتظام میں بہت مشکل پیش آتی ہے۔

استاذ کی بروقت حاضری، طلبہ کو صحیح طریقے سے پڑھانے، استاذ کو طلبہ کی صحیح تربیت کرانے کا موقع فراہم کرنا اور مختلف مواقع میں ایسے اہل اساتذہ کی دِلجوئی وحوصلہ افزائی کرنا یہ تمام امور مدرسہ کی ذمہ داری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ مدرسہ کسی استاذ کو اپنا تابع ہرگز نہ بنائے، نہ استاذ کے لیے ایسے مواقع فراہم کرے، جن میں وہ ادارے کے نظم میں مشکلات پیدا کرے یا گروہ بندی کرکے ماحول خراب کرے۔

اگر مدرسہ کو کسی اور خدمت کے لیے ایسے استاذ کی ضرورت ہو جو مذکورہ بالا اوصاف سے خالی ہو تو ضرور اسے خدمت کا موقع دے، لیکن ایسے شخص کا اساتذہ یا طلبہ سے کسی بھی قسم کا ربط نہ ہو، نہ طلبہ کو پڑھائے، نہ اساتذہ کے ساتھ تدریسی معاملات میں شریک ہو۔ بلکہ اس کو مفوضہ غیر تدریسی ذمہ داریاں مثلاً مطبخ، صفائی، عمومی نگرانی، چندہ وغیرہ تک محدود رکھے۔ کہ ایسے اساتذہ عموماً مہتمم اور ناظم کے منظورِ نظر ٹھہرتے ہیں۔ پھر وہ طلبہ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اساتذہ کرام کے مابین بدنظمی اور بداعتمادی کا سبب بنتے ہیں۔

مدرسہ کا طالب علم سے تعلق: مدرسہ جب طالب علم کو داخلہ دیتا ہے، تو یہ اس کی تعلیم، تربیت کی ذمہ داری اور نفقہ کی کفالت اپنے ذمے لیتا ہے۔

(۱)- تعلیمی ضروریات؛ اس میں مدرسہ طالب علم کی تمام تعلیمی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔ یہ مدرسہ اور طالب علم کے درمیان ایک تعلیمی سال (عموماً شوال سے رجب تک) کا ایک معاہدہ ہوتا ہے، اس وقت کے بعد طلبہ کو کسی بھی نام سے مصروف رکھنا ان کی حق تلفی اور جبر ہے۔ البتہ اختیاری ترغیب کی گنجائش ہے، لیکن بسا اوقات مدرسہ والے طالب علم کے لیے کوئی کورس مرتب کرتے ہیں، اور ان کو سالانہ چھٹیوں میں اس کورس میں حصہ لینے کو لازمی قرار دے کر سند یا اگلے سال کے داخلے کو اس پر موقوف کرتے ہیں۔ یہ طلبہ کے ساتھ زیادتی اور ان کی آزادی چھیننے کے مترادف ہے۔

طالب علم کی تعلیمی ضروریات میں بہترین استاد، کتاب، درسگاہ، روشنی، پڑھائی کا بہتر ماحول شامل ہے۔

صبح سے شام تک جو تعلیمی دورانیہ انتظامیہ کی طرف سے وضع کردہ ہے، وہ طالب علم کی تعلیمی ضروریات ہی کو پورا کرنے کے لیے ہے، اس میں حاضری، سبق سنانا، کتاب فراہم کرنا، بروقت استاد کا حاضر ہونا، ماہر استاد کا پڑھانا، تکرار ومطالعہ کا بہتر انتظام، امتحانات کا نظم۔ غرض سال کے آخر تک تمام تعلیمی سرگرمیاں شامل ہیں۔ جو عموماً مدارس میں وقوع پذیر ہیں۔ ان کے ساتھ اگر مدرسہ کی طرف سے کسی خاص طرزِ تعلیم کا اعلان ہوا ہو، مثلاً عربی زبان میں پڑھانے کا کہا گیا ہو تو اس بنیاد پر جن طلبہ کو داخلہ دیا گیا ہو ان کو اس معیار کی تعلیم دینا مدرسہ کی ذمہ داری ہوگی۔

(۲)- تربیتی ضروریات: طالب علم کی تعلیم کے ساتھ تربیت نہایت ضروری ہے۔ مدارس تعلیم وتربیت ہی

کے مراکز ہیں۔ جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ مدرسہ صرف تعلیم گاہ ہے، وہ اسلام کی اولین تعلیم گاہ صفہ کے استاد و شاگرد اور اس کے بعد کے زمانے کے اکابر کے حالات سے بے خبر ہیں۔ مدرسہ میں تعلیم و تربیت دونوں کا ہونا لازمی ہے۔ تربیت کے لیے ضروری نہیں کہ نچلے درجات ہی میں وہ کسی اللہ والے سے تعلق بنائے۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس کی عبادات سنت کے مطابق بروقت ہوں، وضع قطع صلحاء جیسی ہو، اچھی باتوں اور اچھے اعمال کی طرف راغب ہوں۔ ایسا ماحول ان کو فراہم کرنا ضروری ہے جو ایک والد اپنے بیٹے کو فراہم کرنا چاہتا ہے۔ بڑے طلبہ کو اساتذہ کرام کی خدمت میں بھی جوڑے اور وقتاً فوقتاً ان کو بدلتے رہے تاکہ مختلف خدمات میں ان کا حصہ بھی ہو اور کسی ایک خدمت کو اپنا حق بھی نہ سمجھے۔

بداخلاقی، گالم گلوچ، غیبت، بہتان طرازی، ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگنا، زمانہ طالب علمی میں سیاسی مشغولیات، موبائل فون کا استعمال وغیرہ تعلیم کے لئے ہلاکت خیز سرگرمیاں ہیں۔ یہ تربیت کے عمل کو برباد کرتا ہے۔

اکابر سے جڑنے کے لئے شب جمعہ کے اعمال میں اساتذہ کی سرپرستی میں بڑے طلبہ کو شریک کیا جائے۔ بقیہ طلبہ کے لیے شبِ جمعہ میں مغرب کے بعد کسی بزرگ عالم کا بیان کروالیا جائے۔ کبھی ان کو کسی بزرگ عالم کی خدمت میں لے جایا جائے، تاکہ ان کی صحبت کا اثر ہو۔ کبھی بڑے طلبہ کو تبلیغی اجتماع میں خدمت اور تربیت کے لیے شریک کیا جائے اور مختلف اعمال میں جوڑا جائے۔

مختلف شخصیات سے طلبہ کے سامنے بیان نہ کروائے جائیں، خاص کر موجودہ سیاسی حضرات کے بیانات پڑھنے والے طلبہ کے سامنے کرانے سے ان کی تربیت پر بہت غلط اثر پڑتا ہے۔ خاص کر سالانہ جلسوں میں سیاسی شخصیات کو بلا کر طلبہ اور عوام کی تربیت پر خاص رنگ لگتا ہے، اس لیے طلبہ کے سامنے صرف اپنے مدرسہ کے اساتذہ یا کسی صاحبِ نسبت بزرگ یا معتمد اہلِ علم ساتھیوں کا بیان کروایا جائے جو علم اور اہلِ علم و اہلِ تقوی کے فضائل اور مناقب پر بات کریں۔ طلبہ میں حبِ الٰہی کا جذبہ پیدا ہو۔ پھر ایسے اعمال میں حصہ لینے والے طلبہ کی علی الاعلان حوصلہ افزائی ہو تاکہ دوسروں کا جزبہ بھی بنے۔

(۳)-نفقہ و کفالت: جب طالب علم کو داخلہ دیا جاتا ہے تو مدرسہ اس کی کفالت کی ذمہ داری بھی لیتا ہے۔ کفالت میں کئی چیزیں ہیں: مناسب رہائش، گرمی و سردی سے بچاؤ کے ذرائع، کھانا پینا، وظیفہ، مناسب تفریح کے لیے اسباب اور وقت وغیرہ۔ عموماً مدارس میں خوبصورت بلڈنگ تعمیر کی جاتی ہیں، ان میں طلبہ کو بہترین رہائش دی جاتی ہے اور گرمی سردی سے بچاؤ کے لیے بہتر انتظامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض مدارس میں طلبہ کو وظائف بھی مخصوص معیار پر دیے جاتے ہیں، جو کہ محمود ہیں۔

لیکن عموماً مدارس کھانے پینے اور علاج ومعالجے میں انتہائی غفلت برتتے ہیں۔اور طلبہ کو سالکین سمجھ کر ایسے کھانے کا انتظام کرتے ہیں، جو عموماً کھانے لائق نہیں ہوتے۔قوت لا یموت کا محاورہ بعض مدارس پر بجا طور پر صادق آتا ہے۔طلبہ کو صبح سے شام تک بہتر پڑھائی دینے کے ساتھ ساتھ بہترین غذا فراہم کرنا اہلِ مدارس کے ذمہ لازم ہے۔رہائشی اساتذہ اور طلبہ کے لیے بہترین کھانے کا انتظام کیا جائے۔یہ طلبہ اور اساتذہ کے حقوق میں سے ہے۔استاذ چوبیس گھنٹے دے رہا ہے، طالب علم چوبیس گھنٹے نظم کے مطابق پڑھ رہا ہے، لیکن کھانے کے اوقات میں صرف ایک روٹی اور دال دینا بہت بڑی ناانصافی ہے۔بلکہ علم اور اہلِ علم کی ناقدری ہے۔

مہتمم اگر اچھا کھانا نہیں فراہم کر سکتے ہیں تو طلبہ کی تعداد کم کر لی جائے۔اساتذہ کی تعداد کم کر دی جائے۔ زیادہ تعداد میں داخلہ دینا عموماً نام ونمود کے لیے ہوتا ہے، اگر مدرسہ طلبہ کو صحیح کھانا فراہم نہیں کر سکتا، یا اساتذہ کو اچھا معاوضہ نہیں دے سکتا تو لازمی نہیں کہ کمیت بڑھا دیں، بلکہ کیفیت پر نظر رکھ کر کم طلبہ کو داخلہ دیں۔اور ان کی صحیح خدمت کریں۔بعض مدارس زیادہ طلبہ کو بنیاد بنا کر چندہ کرتے ہیں، اور طلبہ پر بھی غریب ویتیم کا الزام لگا دیتے ہیں۔اس طرح چندہ سے بلڈنگ بنا رہے ہوتے ہیں، لیکن طلبہ کو کھلانے کے لیے ان کے پاس سوائے سوکھی روٹی اور دال کے کچھ نہیں ہوتا۔نہ دینے کے لیے اساتذہ کو تنخواہیں ہوتی ہیں۔جبکہ ان کی اپنی ضروریات مکمل پوری ہو رہی ہوتی ہیں۔

غرض یہ کہ مدرسہ طلبہ اور اساتذہ کا کفیل ادارہ ہے۔ان کی صحت کا خیال رکھنا مدارس کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ایسا کھانا کھلانا جس سے ان کی صحت متاثر ہو، اور وہ مریض بن کر یا تو تحصیلِ علم چھوڑ دیں یا علاج کا محتاج بن جائے ایسی صورت میں علاج کے اخراجات بھی اہلِ مدرسہ کی ذمہ داری ہے۔لیکن عموماً یہ خیال نہیں رکھا جاتا۔

اس طرح کھانے سے بعض اوقات طلبہ کی تربیت بھی متاثر ہوتی ہے۔بہر حال مدرسہ ان تمام صفات کا جامع ہوتا ہے۔اب مدرسہ کی افادیت انہی صفات پر منحصر ہے۔اس طرح مدرسہ کی دو قسمیں بن جاتی ہیں۔

ایک نافع: وہ مدرسہ جو مذکورہ بالا صفات کا حامل ہو۔ان صفات کے حامل مدارس چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے۔ان کی افادیت عام اور تام ہوتی ہے۔ان سے فارغ التحصیل علم وتربیت کے اعلیٰ معیار پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والا ہر طالب علم معیار کے مطابق ہو، لیکن جب اصول پر کاربند مدرسہ ہوگا تو اس کے طلبہ سے خیر ہی کی توقع زیادہ کی جاسکتی ہے۔

دوسرا۔غیر نافع مدرسہ: جو مذکورہ بالا صفات سے عاری ہو، جس قدر ان اوصاف میں کمی ہوگی، اس قدر وہ غیر نافع ہوگا۔☆☆

☆ تبصرہ کے لیے دو کتابیں بھیجنا لازمی ہے

☆ تبصرے کے لیے کتابیں مرکزی دفتر وفاق کے پتے پر بھیجیے

توشۂ کاروان علم

تالیف: شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ/مترجم: سعد اللہ سعدی۔صفحات:344، طباعت: عمدہ، دورنگ طباعت۔ ملنے کا پتا: ادارۃ النور بنوری ٹاؤن کراچی، رابطہ نمبر:021-34914596

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ علمی دنیا کے بلند مقام کے حامل ممتاز فرد ہیں، علم ہی ان کا حوالہ ہے، حدیث ومتعلقات حدیث میں آپ کی تصانیف اہل کے علم کے ہاں معروف ومتداول ہیں، ''توشہ کاروانِ علم'' آپ کی تصنیف ''**معالم ارشادیة لصناعة طالب العلم**'' کا سلیس وشستہ ترجمہ ہے۔ یہ ایک دلچسپ کتاب ہے جو اپنے اسلوب میں نہایت پراثر ہے، انسان جوں جوں مطالعہ کرتا چلا جاتا ہے حصول علم کا جذبہ جنون میں بدلتا چلا جاتا ہے۔ جناب مولوی سعد اللہ سعدی صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کا موزوں ترجمہ کر کے اپنے طالب علم بھائیوں کے لیے گرانقدر ہدیہ پیش کیا۔

نقوش پا کی تلاش میں

جناب عبدالمتین منیری، صفحات:144۔طباعت مناسب، کارڈ کور۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ تراث الادب خانیوال۔ رابطہ نمبر:0300-4097744

جناب عبدالمتین منیری علم دوست ادب نواز شخصیت ہیں، اپنی ذات میں انجمن ہیں، جنوبی ہند کے تاریخی شہر بھٹکل سے تعلق ہے، نہ صرف خود علم اور مطالعے کے رسیا ہیں بلکہ اوروں کو مطالعے کا شوق وذوق منتقل کرنے اور علمی دنیا میں ہل من مزید کی مہمیز دینے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ زیر نظر کتاب ''نقوش پا کی تلاش میں'' ان کے چند سفرناموں کا مجموعہ ہے جو دہلی، دیوبند، سہارنپور، کاندھلہ، گجرات، ڈابھیل، راندیر، سورت، بھروچ، احمد آباد، حیدرآباد دکن وغیرہ کی سیر وسیاحت اور مشاہدات وتاثرات پر مشتمل ہے، ''نقوش پا کی تلاش میں'' کے مطالعے سے برصغیر میں مسلم ماضی کی ایک شاندار تصویر سامنے آجاتی ہے۔ اس سفر کے دوران آپ ایسے تاریخی نوادر ڈھونڈ لائے ہیں کہ قاری حیرت سے انگلیاں دانتوں میں داب لیتا ہے۔ جنوبی ہند کے بعض تاریخی مقامات کی ایسی تفصیلات سامنے آئی ہیں کہ کتب تاریخ کے ہزاروں صفحات کھنگالنے سے بھی نہ ملیں۔ تاریخ وادب کے قارئین کے لیے یہ کتاب خاصے کی

چیز ہے۔

اِک شخص دِل رُبا سا

تصنیف: نایاب حسن۔صفحات:346 ۔طباعت: مناسب۔ قیمت: 800 روپے۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ تراث الادب خانیوال۔رابطہ نمبر:0300 4097744

کتاب اسم بامسمی ہے، یعنی کتاب کے عنوان میں ہی اتنی جاذبیت اور کشش ہے تو اس کے مشمولات یقیناً اس سے کہیں بڑھ کر پراثر ہوں گے۔ ''اِک شخص دِل رُبا سا'' مفکر وادیب، عالم شہیر، استاذ ادب عربی مولانا نور عالم خلیل امینی رحمہ اللہ کے نقوش زندگی کا مجموعہ ہے۔

مولانا نور عالم خلیل امینی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز استاذ، ماہنامہ الداعی کے مدیر، شعبہ عربی ادب کے مشرف، اردو اور عربی کے نامور ادیب تھے، تحریر وتدریس میں ان کا اپنا اسلوب تھا، جن طلبہ کو ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کا موقع ملا وہ ہمیشہ اس سعادت پہ نازاں رہیں گے۔ جن لوگوں نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہے وہ اسلوب کی چاشنی اور حلاوت ہمیشہ محسوس کرتے رہیں گے۔ پاکستان میں ان کا تعارف ''وہ کوہ کن کی بات'' سے ہوا؛ جس میں انہوں نے اپنے استاذ گرامی مولانا وحیدالزمان کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے اہل علم وادب کو روشناس کرایا ہے۔ پھر ان کی کتاب ''پس مرگ زندہ'' آئی تو جیسے دلوں کو موہ لیا۔ ماہنامہ الداعی میں تو ان کے مقالات پابندی سے شائع ہوتے ہی تھے عالم عرب کے کئی رسائل وجرائد میں ان کے مقالات ومضامین کو نمایاں جگہ ملی۔استاذ ومربی ہونے کی حیثیت سے انہوں نے بے شمار طلبہ کو ہیروں کی طرح تراشا اور ان کی صلاحیتوں کو اُجالا۔

جناب نایاب حسن جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور مولانا نور عالم خلیل امینی کے لائق شاگرد ہیں، انہوں نے جس دل بستگی اور وارفتگی سے اپنے استاذ کا تذکرہ کیا ہے پڑھنے کے لائق ہے، مولانا کی شخصیت کے ہر پہلو کو اجاگر کرنے میں ہر ممکن سعی کی ہے۔تحریر ایسی کہ آدمی پڑھتا چلا جائے۔آپ نے اگر ابھی تک اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا تو پہلی فرصت میں کتاب منگائیے پڑھئے اور سر دُھنیے، یہ کتاب ایک خاص شخصیت کی پہلو در پہلو پرتیں ہی نہیں کھولتی بلکہ علم وفکر کے نئے نئے دریچے بھی وَا کرتی ہے۔

تذکرہ حضرت صوفی عبداللہؒ

جناب محبوب علی صاحب، صفحات: 112 طباعت: مناسب۔ ملنے کا پتہ: دارالکتاب، یوسف مارکیٹ غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور، رابطہ نمبر 0300-8099774

حضرت صوفی عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ درویش منش آدمی تھے۔آپ نے سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت پائی، آپ کے خادم کے طور پر معروف ہوئے، اس دوران خانقاہ میں آنے والے بزرگوں سے بھی تعلق بڑھا، ان صحبتوں نے انہیں کندن بنادیا۔کئی اکابرین شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ؛ اور دیگر بزرگان دین سے ذاتی تعلق رہا، جناب محبوب علی صاحب (سابق ڈی جی پی ٹی سی ایل) نے ان کے جستہ جستہ حالات زندگی قلم بند کیے ہیں۔کتاب کے آغاز میں خانقاہ سراجیہ کندیاں کے سجادہ نشین حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب مدظلہم کی تقریظ شامل ہے۔

نو قیر شرح نحو میر

مولف: مفتی مطیع الرحمٰن، صفحات: 288 طباعت: مناسب، ملنے کا پتہ: مکتبۃ الفیصل، جامع مسجد ذوالنورین ظفر آباد پرانا چنیوٹ روڈ جھنگ صدر

''نحو میر'' درس نظامی کے مبتدی طلبہ کے لیے بنیادی کتاب ہے۔علم النحو، نحو میر، ہدایۃ النحو، شرح مائۃ عامل ایسی کتابیں ہیں جن سے آئندہ کا تعلیمی دورانیہ استوار ہوتا ہے، ان کتابوں کو سمجھ بوجھ کر پڑھ لیا جائے اور دل میں اتار لیا جائے تو حصول علم کی منزلیں آسان ہوجاتی ہیں۔زیر تبصرہ کتاب حضرت مولانا اللہ دتہ صاحب مدظلہم کے افادات کا مجموعہ ہے؛ جس میں عمدہ اسلوب وترتیب کے ساتھ ان افادات کو جمع کردیا ہے۔اس شرح میں ان باتوں کا التزام رکھا گیا ہے: (۱) مختصر اور جامع ترجمہ (۲) ہر سبق کی علیحدہ تمرین (۳) ہر سبق کے مختصر فوائد نحو (۴) اردو اور فارسی تراکیب (۵) تسہیل النحو کی مکمل تمرینات حل شدہ۔ابتدائی درجات کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے یہ کتاب مفید ہے

تذکرۃ الصالحین

مرتبین: مولانا پیر جی عبدالحفیظؒ، ڈاکٹر محمد سعید۔صفحات: 368۔طباعت: مناسب، ملنے کا پتا: مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور۔رابطہ: 0307-3339699

چیچاوطنی ضلع ساہیوال کی تحصیل ہے، دینی حوالے سے خصوصاً تحریکاتِ تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے یہ شہر روشن ماضی رکھتا ہے۔اس شہر کا ایک حوالہ ''پیر جی کا درس'' بھی ہے، ''پیر جی کا درس'' نام آتے ہی قطب الارشاد حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ، پیر جی مولانا عبداللطیف رائے پوریؒ، پیر جی عبدالمجیدؒ، پیر جی عبدالعلیم شہید، پیر جی عبدالحفیظ رحمہم اللہ کے نام سامنے آتے ہیں۔پیر جی مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ قطب وقت اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔چیچاوطنی کے قریب گیارہ چک میں ایک سادہ سی خانقاہ اور مدرسہ تھے جہاں آپ نے علم

وعرفان کی جوت جگا رکھی تھی۔ آپ فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے حفظ کے استاذ تھے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''عالی جناب حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ نکودر ضلع جالندھر کے رہنے والے، جو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، نہایت بزرگ، نہایت نیک، نہایت متواضع، نہایت خاشع، بڑی کثرت سے نفلیں پڑھنے والے، وہ جب حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تبرکا میرے والد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے مجھے ان کی شاگردی میں بھی حصول برکت کے لیے چند روز رکھا، جب تک حافظ صاحب رحمہ اللہ علیہ کا گنگوہ میں قیام رہا۔ (آپ بیتی ج ۲، ص ۳۰)

حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامیؒ حضرت مولانا فضل احمدؒ، حضرت مولانا مفتی فقیر اللہؒ (مجاہد تحریک ریشمی رومال، بانی جامعہ رشیدیہ ساہیوال) سے حاصل کی۔ دورہ حدیث کے لیے آپ کو دارالعلوم دیوبند بھیجا گیا جہاں آپ نے محدث زمانہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے دورہ حدیث مکمل کیا، وہیں آپ نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے بھی استفادہ کیا۔

سلوک ومعرفت کی منزلیں قطب الارشاد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے پاس طے کیں۔ مجاہدے کیے، اس راستے کی کٹھنائیاں برداشت کیں، حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ سے خلافت پائی۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ چیچاوطنی کے قریب چک نمبر گیارہ میں گزرا، بودوباش سادگی کا مثالی نمونہ تھی، پوری زندگی ایک کچے مکان اور گھاس پھوس کے چھپر میں گزار دی۔ یہیں طالبین حق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ذکر وفکر کی تلقین حاصل کرتے۔

''تذکرۃ الصالحین'' قطب الارشاد حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ اور آپ کے خاندان کے بزرگوں کے عطر بیز تذکرے سے معمور ہے، حضرت مولانا حافظ محمد صالح، حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ، حضرت پیر جی عبداللطیف؛ اور ان کے تمام صاحبزادگان رحمہم اللہ کے سوانحی تذکرے، خصوصیت کے ساتھ قطب الارشاد حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی دینی اور خانقاہی خدمات، آپ کی سیرت وسوانح، زاہدانہ زندگی کے انمٹ نقوش، سلوک ومعرفت میں بلند مقام، اخلاق وعادات، مکتوبات وملفوظات کا کافی کچھ ذخیرہ اس کتاب میں آ گیا ہے۔ ''تذکرۃ الصالحین'' ایک خاندان کی ہی نہیں ایک عہد کی داستان ہے مقدور ہو تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ☆☆